قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ

رواہ البخاری

سلسلۂ

التبلیغ

کا تیسرا وعظ

ملقب بہ

شکر النعمۃ بذکر رحمۃ الرحمہ

منجملہ ارشادات حضرت مرشدی و مولائی حافظ قاری شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی دام ظلہم

حسب فرمائش حاجی نظام الدین صاحب تاجر کانپوری

باہتمام احقر شبیر علی عفی عنہ

مطبع اشرف المطابع تھانہ بھون میں طبع ہوا

سلسلۂ التبلیغ کا تیسرا وعظ ملقب بہ

شُکر النّعمہ بذکر رحمۃ الرّحمہ

اَیْنَ	مَتٰی	کَمْ	کَیْفَ	لِمَ	مَنِ اِیْ شَانِ	مَنْ ضَبَطَ	اَلْمُسْتَمِعُوْنَ	اَلْاِشْتَاتُ
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	کیسے ہوا	کس لئے ہوا	کیا مضمون تھا	کس نے لکھا	سامعین کی تعداد تخمینی	متفرقات
[illegible]	[illegible]	[illegible]	بیٹھ کر	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۱۰۰	عام امت کے لئے مفید تھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم **اما بعد** فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ یہ ایک آیت ہے سورۂ برات کے ختم کے قریب کی جس میں کچھ فضائل بیان فرمائے گئے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہ ہرچند کہ حضورؐ کا ذکر مثل ذکر اللہ کے کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں ہر وقت ہونا چاہئے کیونکہ حق تعالیٰ نے جس طرح اپنی اطاعت فرض فرمائی ہے اُسی طرح حضور کی اطاعت بھی فرض کی ہے مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ تو جو شان اطاعت کی ہے وہی شان ذکر کی بھی ہے کہ جس طرح حق تعالیٰ کی اطاعت فرض ہے حضورؐ کی اطاعت بھی فرض ہے۔ اور جس طرح ذکر اللہ باعث ثواب ہے اور کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں اسی طرح ذکر رسولؐ بھی موجب ثواب ہے اور کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ یہ بھی ہر وقت ہی ہونا چاہئے حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب کی حکایت اسپر مجھے یاد آگئی۔ کسی نے مولانا سے دریافت کیا کہ میلاد شریف کرنا کیسا ہے آپ نے فرمایا کہ بھائی

عہ اس ہر چند کا ربط آئندہ کی اس عبارت سے ہے کہ مگر اس وقت اس مضمون کو الخ نیز وہاں بھی حاشیہ پر اس ربط پر تنبیہ کر دی ہے ۱۲ منہ

ہم تو ہر وقت میلاد شریف کیا کرتے ہیں کیونکہ ہم لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں جس میں ہر وقت ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ پس ہم تو ہمیشہ ذکر میلاد کرتے ہیں کیونکہ اگر حضورؐ پیدا نہ ہوتے تو ہم رسول ہونے کا ذکر کیسے کرتے۔ واقعی خوب جواب دیا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے مقصود تو رسالت ہی تھی ورنہ نفس پیدائش میں تو سب شریک ہیں تو جو شخص حضورؐ کی رسالت کا ذکر کرتا ہے وہ پیدائش کا ذکر بالغ وجہ کرتا ہے کہ پیدائش کا بھی ذکر کرتا ہے اور جو اُس سے مقصود تھا اُس کو بھی بیان کرتا ہے۔ اور جو لوگ صرف میلاد کا ذکر کرتے ہیں وہ ایسی چیز کا تذکرہ کرتے ہیں جو حضورؐ میں اور ہر فرد بشر میں مشترک ہے وہ مقصود کا ذکر نہیں کرتے جسکے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تھی اور پھر ذکر بھی جب قیود کے ساتھ ہو . . . . . . تو یہ اُنکی کمی ذکر کو مستلزم ہے کیونکہ جب تک خاص مہینہ خاص مجمع کی صورت اور خاص طریقۂ ذکر میلاد نہ ہو وہ حضورؐ کی یاد سے محروم رہتے ہیں اور یہ منطقی مسئلہ بھی ہے کہ عام کی ساتھ جسقدر تخصیصات زیادہ ہونگی اُسی قدر اُسکے افراد کم ہونگے مثلاً مطلق جسم کا وجود بہت زیادہ ہے جسم نامی کا اُس سے کم حیوان کا اُس سے بھی کم انسان کا سب سے کم۔ غرض یہ بات مشاہد بھی ہے کہ قیود اور تخصیصات بڑھانے سے شئے کا وجود کم ہو جاتا ہے اور عقلی مسئلہ بھی ہے تو ہر طرح یہ بات ثابت ہو گئی کہ ذکر رسول کے لئے جو لوگ قیود کے پابند ہیں وہ ذکر رسول بہت کم کرتے ہیں اور جو لوگ کسی قید کے پابند نہیں وہ ہر وقت ذکر رسول کر سکتے ہیں اور اسکے ساتھ اگر ایک مقدمہ یہ بھی ملا لیا جاوے کہ من احب شیئاً اکثر ذکرہ کہ جسکو کسی چیز سے محبت ہوا کرتی ہے وہ اُسکو کثرت سے یاد کیا کرتا ہے تو آپ خود فیصلہ کر لیں گے کہ ذکر رسولؐ میں قیود کو لازم کر لینا یہ کمی محبت کی دلیل ہوئی یا نہیں۔ بخلاف اُنکے جو قیودات کے پابند نہیں کہ وہ ہر وقت ذکر رسولؐ ہی میں رہتے ہیں۔ ہاں اُنکے نزدیک صرف ایک قید کی ضرورت ہے وہ کیا اخلاص کہ حضورؐ کا ذکر خلوص دل سے ہونا چاہئے کیونکہ بدون خلوص کے عمل مقبول نہیں ہوتا مگر یہ قید بھی قبولیت کے لئے ہے نفس عمل کے لئے اسکی بھی ضرورت نہیں بلکہ محققین ذکر رسولؐ ہی کیا خود مطلق ذکر کے لئے بھی یوں ہی فرماتے ہیں کہ خلوص قلب کا انتظار نہ کرنا چاہئے بلکہ جس طرح ہو ذکر کرنا چاہئے اُسکی برکت سے شدہ شدہ خلوص بھی پیدا ہو جاویگا یہ سب باتیں حاجی صاحب قدس اللہ سرہم کے یہاں جا کر حل ہوئیں۔ چنانچہ حاجی صاحب ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ریاء ہمیشہ ریاء ہی نہیں رہتی۔ پہلے ریاء ہوتی ہے پھر عادت ہو جاتی ہے پھر عبادت بنجاتی ہے غرض ریاء ہمیشہ ریاء نہیں رہا کرتی آخر کار مبدل بخلوص ہو جاتی ہے۔ پھر وہ خلوص موجب قرب ہو جاتا ہے تو اہل تربیت کے نزدیک ابتداء عمل کے لئے اخلاص کی قید بھی ضروری نہیں وہ تو یوں فرماتے ہیں کہ جس طرح ہو ذکر کرنا چاہئے خلوص کا انتظار نہ کرنا چاہئے۔

دوسرے یہ کہ بعض اعمال سے دوسروں کو تو نفع پہونچ جاتا ہے پھر انکی برکت سے اس عامل کا کام بنجاتا ہے فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب سے ریا کار مر گئے ابواب خیر بند ہو گئے اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ریا بھی کوئی اچھا عمل ہے۔ نہیں اُن کا مطلب یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں بہت سے لوگ نام آوری کے لئے خانقاہیں اور سرائے مدرسے وغیرہ بنایا کرتے تھے مقصود اُن کا صرف نام ہوتا تھا۔ مگر جب اُن سے مخلوق کو نفع پہونچا تو کوئی اُن میں خدا کا خاص بندہ بھی ہوتا تھا وہ بانی کے حق میں دعاء خیر کرتا تھا حق تعالیٰ اُسکی دعا قبول فرماتے تھے۔ اس طرح وہ ریاء بواسطہ نافع ہو جاتی تھی۔ شیخ شیرازی نے خوب کہا ہے ؎

خورش دہ بہ کنجشک و کبک و حمام کہ شاید ہمائے در افتد بدام
چو ہر گوشہ تیر نیاز افگنی بناگاہ بینی کہ صیدے کنی

سو جب سے لوگوں نے نام آوری کے واسطے یہ کام کرنے چھوڑ دیئے تو ابواب خیر بند ہو گئے کیونکہ محض خدا کی رضاء کے لئے کام کرنے والے ہر زمانہ میں بہت کم ہوتے ہیں اور جو ہوتے ہیں وہ غرباء ہیں جن میں ان ابواب کی وسعت نہیں تو اس طریقے سے ابواب خیر گویا بند ہو گئے اور اس میں ریاء کا اذن نہیں بلکہ تو ہم ریاء کو مانع قرار نہ دینے کا امر ہے۔

غرض جیسا ذکر اللہ کے لئے محققین کے نزدیک خلوص کی قید نہیں تو اسی طرح ذکر رسولؐ کے لئے بھی خلوص کا منتظر نہ ہونا چاہئے۔ جس طرح ہو اور جسقدر ہو سکے کام کرنا چاہئے۔ اسی طرح یہ بھی نہ خیال کرنا چاہئے کہ ہم ذکر رسولؐ کے قابل کہاں ہمارا ایسا مُنہ کہاں جو ہم حضورؐ کا ذکر کریں۔ اس خیال نے بہت آدمیوں کو افعال خیر سے روک رکھا ہے۔ ایک شخص نے مجھسے دعا کے واسطے کہا کہ میرے ذمہ قرض بہت ہے دعا کیجئے میں نے کہا کہ بھائی میں دعا کرونگا تم بھی دعا کیا کرو انشاء اللہ حق تعالیٰ سے اُمید ہے کہ تمہارا قرض اُتار دیں گے وہ صاحب اسکے جواب میں فرماتے ہیں کہ اجی ہمارا مُنہ اس قابل کہاں ہے جو ہم دعا کریں میں نے کہا کہ تمہارا مُنہ تو اس سے بھی بڑی چیز کے قابل ہے وہ کیا ہے اسلام ظاہر ہے کہ اسلام سے بڑھکر کوئی عبادت اور طاعت نہیں ہو سکتی تمام عبادات کا رتبہ اس سے کم ہے اُسکے لئے تمہاری زبان بھی قابل ہو گئی اس وقت نہ یہ عذر کیا کہ میں کلمہ اپنی زبان سے کیونکر نکالوں میرا مُنہ اس قابل کہاں جب تمہارا مُنہ اسلام کے لئے قابل ہے تو دعا کے لئے کیوں قابل نہ ہوگا اس کا مرتبہ تو اُس سے بہت کم ہے جاؤ فضول خیالات میں نہیں پڑا کرتے خدا سے خود بھی دعا کرنا چاہئے۔ بلکہ صاحب ضرورت کی دعا میں زیادہ اُمید قبولیت ہے کیونکہ وہ پریشان ہو کر گھبرا کر دعا کرتا ہے اور حق تعالیٰ مصیبت زدہ کی دعا جلدی قبول فرماتے ہیں اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ الآیہ غرض یہ بھی ایک شیطانی دھوکہ ہے کہ ہم اس قابل کہاں جو ذکر اللہ

یا ذکر رسُول کریں ہم اس لائق کہاں جو خدا سے دعا کریں اس دھوکہ میں پڑکر بہت لوگ خدا کی نعمت سے محروم پڑے ہوئے ہیں اور فی ذاتہ تو خدا اور رسُول کا ذکر بیشک ایسی ہی چیز ہے کہ ؎

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب　　　ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

یعنی ہزاروں لاکھوں دفعہ مُنہ کو خوشبودار بنایا جائے جب بھی اُسکے قابل نہیں ہو سکتا مگر پھر بھی کام شروع ہی کر دینا چاہیئے گو وہ کام ناقص ہوگا مگر رحمت حق سے وہی قبول ہو جاویگا مولانا خوب فرماتے ہیں ؎

این قبول ذکر تو از رحمت است　　　چوں نماز مستحاضہ رخصت است

خوب مثال دی کہ جیسے استحاضہ والی عورت جسکو ہر وقت خون جاری رہتا ہے شریعت اُسکو حکم دیتی ہے کہ ایسی حالت میں تو نماز پڑھتی رہ حق تعالیٰ اپنی رحمت سے قبول فرمالیں گے۔ ظاہر ہے کہ جب اُس کا خون بہ رہا ہے تو وہ حقیقت میں ناپاک ہے مگر اُس حالت میں بھی اُسکی نماز قبول ہو جاتی ہے تو اسی طرح گو ہمارا مُنہ مثلاً خدا کی یاد کے قابل نہیں مگر شریعت کا حکم ہے کہ قابل ہو یا نہو کام کرنا چاہیئے حق تعالیٰ قبول فرمانے والے ہیں اور اسمیں ایک راز غامض ہے وہ یہ کہ اگر کوئی بدون طہارت غیر مامور بہا کے اطاعت نکرے یا نہو سکتی ہو اور یہی انتظار رکھے کہ جب تک ہم ذکر کے قابل نہو جاویں ذکر شروع نہ کریں تو جسوقت بھی یہ شخص ذکر شروع کریگا یا کوئی طاعت کرے گا تو اُس وقت اپنے آپکو طاہر اور اسکے قابل سمجھے گا حالانکہ حق تعالیٰ کی عظمت حقوق کے اعتبار سے کوئی بھی قابل اور طاہر نہیں ہو سکتا۔ اور کسی اور کی تو کیا مجال ہے جبکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ لَآ اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَآ اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ کہ اے اللہ میں بھی آپکی ثناء نہیں کر سکتا تو جب بھی ہم طاعت کرینگے وہ ناقص ہی ہوگی۔ تو جو لوگ اس انتظار میں پڑے ہوئے ہیں کہ جب ہم ذکر کے قابل ہونگے اُس وقت شروع کرینگے وہ عجب میں مبتلا ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کبھی قابل بھی ہو سکتے ہیں یہ کتنا بڑا مرض ہے۔ صاحبو ہم جب بھی عبادت کرینگے وہ خدا کی عظمت کی نسبت سے ناقص ہی رہیگی کبھی بھی اُسکے لائق نہیں ہو سکتی اور جس درجہ کے تم متمنی ہو وہ تو مستحیل ہے تو یہ خیال باطل ہے اسکو دل سے نکال دینا چاہیئے ورنہ اس خیال میں پڑکر یا تو کام سے رہجاؤگے۔ اگر ہمیشہ اپنی نااہلیت پیش نظر رہی اور اگر کبھی شروع کروگے تو دوسری بلا میں گرفتار ہوگے کہ اپنے آپکو پاک صاف اور عبادت کے قابل سمجھو گے یہی وہ راز ہے جسکی وجہ سے اہل تربیت فرماتے ہیں کہ اپنے کو ریاکار ہی سمجھکر تم کام شروع کر دو اور یہی سمجھتے رہو کہ تم کسی قابل نہیں اور نہ کبھی قابل ہو سکتے ہو حق تعالیٰ سب قبول فرمالیں گے اور اگر کچھ نقصان بھی رہے گا تو تمہارا اپنے آپکو ناقص سمجھنا اُس نقصان کی تلافی کر دیگا۔ واقعی عجیب درجہ ہے کہ اپنے عمل کو ناقص سمجھنے سے اُسکی تکمیل ہو جاتی ہے ؎

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش عذر بدرگاہِ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش کس نتواند کہ بجا آورد

اس انتظار کی بالکل ایسی ہی مثال ہے جیسا کہ امثال میں مذکور ہے کہ ایک ناپاک شخص کا دریا پر گذر ہوا دریا نے اسکو پکارا کہ میرے پاس آجا میں تجھے پاک کردوں اُس نے کہا کہ میں کس مُنہ سے آؤں تو پاک صاف اور میں گندہ ناپاک دریا نے کہا کہ تو چاہتا ہے کہ پاک ہو کر میرے پاس آئے اور بدون میرے پاس آئے تو پاک نہیں ہو سکتا تو ہمیشہ ناپاک ہی رہے گا بس تو اسی حالت میں ناپاک ہی میرے پاس چلا آ تجھے میں ہی پاک کر سکتا ہوں مجھ سے دور رہ کر تو پاک نہیں ہو سکتا۔

صاحبو! اسی طرح ہم چاہتے ہیں کہ اپنے گمان کے موافق پاک صاف ہو کر خدا کی طرف رُخ کریں۔ حالانکہ بدون خدا کی طرف رُخ کئے تم پاک ہی نہیں ہو سکتے۔ بس اس کا تو یہی طریقہ ہے کہ تم جیسے بھی ہو چلے آؤ ؎

باز آ باز آ ہر انچہ ہستی باز آ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ

رحمت متوجہ ہو کر تمکو خود پاک کر دیگی۔ اسی طرح بعض لوگ خدا کی یاد کے لئے منتظر رہتے ہیں کہ دنیا کے جھگڑوں سے نجات ہو جائے تو پھر فارغ ہو کر اللہ اللہ کریں کوئی کہتا ہے کہ بیٹے کا نکاح ہو جائے تو بفکر ہو کر خدا کو یاد کریں فلاں زمین کے مقدمہ سے چھٹکارا ہو جائے تو آخرت کی فکر میں لگیں مگر میں بقسم کہتا ہوں کہ ان جھگڑوں سے نجات خدا کی یاد کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ خدا سے لگاؤ پیدا کرو رفتہ رفتہ سب تعلقات خود ہی کم ہو جاوینگے اسکے بغیر کبھی تعلقات سے نجات نہیں ہو سکتی۔ اس طرح تو آپ روز یہی کہتے رہینگے کہ آج یہ قصہ پیش آگیا اس سے فراغت ہو جائے تو پھر کام میں لگوں پھر کوئی دوسرا جھگڑا کھڑا ہو جائیگا تو آپ اُس سے فارغ ہونے کا انتظار کرینگے تو ہمیشہ یہی حال رہے گا ؎

ہر شبے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم باز چوں فردا شود امروز را فردا کنم

دنیا کے قصوں سے کبھی نجات نہیں نصیب ہوگی کوئی شاعر دنیا کے بارہ میں خوب کہتا ہے ؎

وَمَا قَضٰی اَحَدٌ مِّنْهَا لُبَانَتَهٗ لَا یَنْتَهِیْ اَرَبٌ اِلَّا اِلٰی اَرَبِ

یہ لوگ وصل کے لئے منتظر ہیں فصل کے اور فصل ہو قوف ہے وصل پر تو انکو کبھی خدا کے ساتھ لگاؤ پیدا کرنیکی توفیق نہیں ہو سکتی ہمیشہ انتظار ہی میں رہینگے۔ یہاں تک کہ ایک دن موت آکر دبا لیگی اور دنیا سے خالی ہاتھ رخصت ہو جائیں گے۔ بس اگر وصل خدا چاہتے ہو تو ان جھگڑوں کے ختم ہونے کا انتظار نہ کرو ایسی حالت میں خدا کی یاد میں لگ جاؤ پھر وہ خود ہی سب تعلقات کو ختم کر دیگا۔ اور رحمت حق متوجہ ہو کر تمکو اپنی ہی طرف کھینچ لیگی (وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ) مولانا فرماتے ہیں ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش تا دمِ آخر دمے فارغ مباش

تا دمِ آخر دمے آخر بود کہ عنایت باتو صاحب سر بود

یہ مسئلہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حل ہوا - حاجی صاحب سے جب کوئی یہ کہتا کہ حضرت نوکری چھوڑ دوں تو آپ ارشاد فرماتے کہ نوکری مت چھوڑو تم کام میں لگے رہو کام کرتے کرتے پھر تم خود ہی چھوڑ دوگے کسی سے پوچھو گے بھی نہیں سبحان اللہ! بڑے محقق تھے غرض یہ ہے کہ جس طرح بھی ہو کام میں لگ جانا چاہیئے اور یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ ہم اس قابل کہاں جو ذکر خدا و ذکر رسول کریں تم کام شروع کردو حق تعالیٰ شانہ سب قبول فرمالیں گے وہ فقط کاملین ہی کے خریدار نہیں وہ ناقص کے بھی خریدار ہیں چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ دیکھیے فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے تمام مسلمانوں سے انکی جان و مال جنّت کے بدلے خرید لئے ہیں اسمیں مومنین کا لفظ ہے یہ نہیں فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْکَامِلِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ اور اسمیں ایک راز ہے وہ یہ ہے کہ وہ بازار جس درجہ کا کھرا ہے اُسکے قابل متاع تو کسی کے پاس بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ کاملین کو بھی جو جزاء عطا ہوگی وہ اسقدر ہوگی کہ اُن کے اعمال کی اُن کے مقابلہ میں کچھ بھی حقیقت نہ ہوگی وہ محض فضل ہی فضل ہوگا اس لئے اس بازار میں کھوٹے کھرے کی پوچھ ہی نہیں سبحان اللہ! کیا عجیب بازار ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

خود کہ یابد ایں چنیں بازار را کہ بیک گل می خری گلزار را

یعنی ایک پھول کے بدلے پر باغ عطا فرماتے ہیں اور باغ بھی کیسا جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ - ایسا بازار کہیں دیکھا بھی ہے جس میں اس کا کچھ بھی خیال نہیں کہ یہ تو ایک پھول لیکر آیا ہے اتنے بڑے باغ کا یہ مستحق نہیں - واقعی خود اپنے عمل سے اُسکو کون پا سکتا ہے - حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّۃَ اَحَدٌ بِعَمَلِہٖ کہ جنت میں اپنے عمل کی وجہ سے کوئی داخل نہیں ہوگا - سب رحمت خداوندی سے جنت میں جائینگے - حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا وَلَا اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کہ یا رسول اللہ کیا آپ بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنّت میں داخل نہ ہونگے حضور نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ لیا اور فرمایا وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰہُ بِرَحْمَتِہٖ یعنی نہیں ہاں اگر خدا کی رحمت متوجہ ہو جائے تو میں بھی اللہ کی رحمت سے جنّت میں جاؤنگا جب حضور یہ فرماتے ہیں تو اور تو کس شمار میں ہیں بالکل سچ فرمایا ؎

خود کہ یابد ایں چنیں بازار را کہ بیک گل می خری گلزار را

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد انچہ در وہمت نیاید آں دہد

غرض ذکر رسول بھی ذکر خدا کی طرح ہر وقت ہونا چاہیئے اسکے لئے کسی قید کا پابند نہ ہونا چاہیئے ظاہر میں بس

ایک قید ضروری معلوم ہوتی تھی اخلاص کی مگر محققین اُسکو بھی ضروری نہیں سمجھتے یعنی اُنہیں مبالغہ کرنیکو تو ذرا غور کرو کہ جو شخص اتنا توسع کرے گا اُسکو زیادہ توفیق ذکر رسول کی ہوگی یا اُس شخص کو جو اتنی قیود میں جکڑا ہوا ہے کہ مہینہ بھی خاص ہو مجمع بھی ہو لوبان بھی ہو کچھ غزل گانے والے بھی ہوں مٹھائی بھی ہو پھر یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم محب رسول ہیں۔ میاں اگر محب رسول ہوتے تو جس طرح بن پڑتا محبوب کو یاد کیا کرتے ان قیدوں کے پابند نہ ہوتے بھلا کہیں عاشق بھی اپنے محبوب کی یاد میں کسی چیز کا پابند ہوا کرتا ہے۔ محبت ہی دل میں نہیں جو اتنے قصّوں کے منتظر ہو۔ میں سچ کہتا ہوں کہ ان رسوم نے لوگوں کو خدا اور رسول کی یاد سے بہت روک رکھا ہے میں نے ایک واقعہ خود دیکھا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے بیعت کی درخواست کی آپ نے فرمایا کہ دوسرے وقت پر رکھو دوسرے وقت اور چند آدمی بیعت ہونے آئے حاجی صاحب نے اُن صاحب سے بھی فرمایا کہ بھائی آؤ تم بھی بیعت ہو جاؤ تو آپ فرماتے ہیں کہ حضرت میں نہیں ابھی بیعت ہوتا میں تو مٹھائی لا کر بیعت ہونگا لاحول ولا قوۃ الا باللہ ان رسوم نے کیسا لوگوں کا راہ مار رکھا ہے۔ بھلا اس سے بڑھکر کیا خوش نصیبی تھی کہ شیخ خود بلائے کہ آؤ ہم تمہارے خریدار بنتے ہیں اور وہ عاشق صاحب ہیں کہ مٹھائی نہ ہونے کی وجہ سے رُکے جاتے ہیں بس سوا اسکے کہ تعلق کی کمی ہے اور کیا کہا جا سکتا ہے تو بس اگر محبت ہے تو یہ قیود خود ہی معلوم ہو جائیگا کس قدر مانع ذکر ہیں اس لئے چاہیے کہ جس طرح ذکر اللہ کے لئے کوئی قید نہیں اُٹھتے بیٹھتے کھڑے ہوئے لیٹے ہوئے سب طرح کر سکتے ہیں اسی طرح ذکر رسول کے لئے بھی کوئی قید لازم نہ کریں۔ رہا نماز وغیرہ کے لئے جو قیود ہیں اُن میں خاص مصالح و حکمتیں ہیں اور وہ قیدیں ایک خاص طریق ذکر کے لئے ہیں مطلق ذکر اللہ کے لئے تو نہیں ہیں۔ اور پھر وہ بھی نص سے۔ اور یہاں کونسی نص ہے بعض لوگ اہل عرب کے دستور سے استناد کرتے ہیں کہ وہاں بھی تو قیود ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ بیشک ہاں بھی کچھ قیود ہیں تو پھر کیا ہوا۔ اہل عرب کے فعل سے کوئی شرعی حکم تو نہیں بدل سکتا اور اگر انصاف سے دیکھا جائے تو ہندوستان کے لوگوں کو اہل عرب کے فعل سے استناد کرنے کا کوئی حق بھی نہیں کیونکہ وہ لوگ ان قیود کے اس قدر پابند نہیں ہیں اگر اتفاق سے مجمع ہو گیا تو مجمع میں ذکر رسول ہو گیا اور کہیں مجمع کی بھی قید نہیں دو چار آدمی کھانا کھانے بیٹھے جی چاہا کہ حضور کا ذکر سُنیں ایک دوسرے سے کہتا ہے یا مولانا المولد الصغیر یعنی مختصر طور پر حضور کا ذکر میلاد تو سنا دو اُس نے مولد مختصر سُنا دیا پھر کھانا شروع کر دیا اگر کہیں مجمع میں میلاد کا ذکر ہوا تو مٹھائی وغیرہ کے وہ ایسے بہت پابند نہیں ایک شخص مٹھائی تقسیم کرنے اُٹھتا ہے جہاں تک تقسیم ہو گئی بانٹ دی جب ختم ہو گئی صاف کہدیا خلاص کہ بس جاؤ ختم ہو گئی نہ صاحب خانہ کو اس کا خیال ہوتا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے میری ناک کٹے گی نہ اُن لوگوں کو کچھ خیال ہوتا ہے جنکو مٹھائی نہیں ملی کہ دیکھو ہم مٹھائی سے رہ گئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجمع صرف ذکر رسول کے لئے اکٹھا ہوا تھا مگر خوش طبعی کے لئے مٹھائی بھی تقسیم ہو گئی یہ نہیں کہ مجمع کی علت غائی صرف

مٹھائی ملنا ہو جیسا کہ ہندوستان میں ہے کہ صاحب خانہ جب دیکھتا ہے کہ لوگ بہت جمع ہو گئے اور مٹھائی کم ہے تو فوراً ایک آدمی کو مٹھائی کے لئے چلتا کرتا ہے اور مولود خواں سے اشارہ سے کہدیتے ہیں کہ ذرا کوئی غزل گانی شروع کر دو ابھی مٹھائی نہیں آئی اب مولود تو ختم ہو چکا تھا مگر مٹھائی کے واسطے گلا پھاڑ پھاڑ کر مولود خواں صاحب غزلیں گا رہے ہیں جس سے سننے والے بھی سمجھ جاتے ہیں کہ یہ سارا جوش و خروش مٹھائی کے اشتیاق میں ہے اور جہاں وہ مٹھائی آئی سارا جوش ختم ہوا بھلا ان لوگوں کو اہلِ عرب کے فعل سے استناد کرتے ہوئے شرم نہیں آتی وہ اللہ کے بندے مٹھائی کے واسطے مجلس میں جمع نہیں ہوتے نہ صاحب خانہ ہی کو اس کا اہتمام ہوتا ہے نہ آنے والوں کو اس کا خیال ہوتا ہے۔ ہندوستان کے مولود کی مثال تو شیعوں کی مجلس حسینؓ جیسی ہے۔ لکھنؤ میں محرم کے مہینہ میں جابجا مجلس حسینؓ ہوتی ہے ایک شیعی شخص نے ایک سُنّی وکیل صاحب سے کہا کہ آپ مجلس حسینؓ میں شریک نہیں ہوتے انہوں نے کہا کہ مجلس حسینؓ تو میں نے آجتک یہاں کہیں ہوتے ہوئے سُنی نہیں اُس نے کہا واہ صاحب لکھنؤ میں خدا جھوٹ نہ بلاوے روزانہ پچاس جگہ تو مجلس حسینؓ آجکل محرم میں ہوتی ہے اُن وکیل صاحب نے کہا کہ صاحب میں نے تو کہیں بھی مجلس حسینؓ نہیں سُنی اور اگر آپکو میرا اعتبار نہو تو تھوڑی دیر آپ یہاں تشریف رکھئے ابھی معلوم ہو جائیگا تھوڑی دیر میں ایک شخص دعوت دینے آیا کہ فلاں نواب صاحب کے یہاں آج مجلس ہے وکیل صاحب نے پوچھا کہ بھائی کاہے کی اُس نے کہا کہ فیرینی کی اسکے بعد دوسرا شخص آیا کہ فلاں رئیس صاحب کے یہاں رات کو مجلس ہے انہوں نے پوچھا کہ میاں کاہے کی مجلس ہے اُس نے کہا شیرمال کی۔ تیسرا آیا اُس نے کہا شیرینی کی وکیل صاحب نے اُن صاحب سے کہا کہ آپنے سُن لیا امام حسینؓ کا تو کہیں بھی ذکر نہیں کہیں شیرمال کی مجلس ہے کہیں فیرینی کی ہے کہیں شیرینی کی ہے امام حسینؓ کی مجلس ہوتی تو بھلا ایسی بات تھی کہ میں شریک نہوتا وہ دوسرے صاحب کہنے لگے کہ میاں تم تو بڑے مذاقی آدمی ہو۔ غرض یہی حال آجکل ہماری مجالس میلاد کا ہے کہ اکثر مٹھائی کی بدولت مجمع ہو جاتا ہے اگر مٹھائی نہ تقسیم ہو تو نہ کوئی پڑھے اور نہ کوئی سُننے آوے خدا کو بھی دھوکہ دینا چاہتے ہیں کہ ہم ذکر رسول کر رہے ہیں اور اسی قبیل سے ہمارے یہ میاں جی رمضان کے حافظ غضب ڈھاتے ہیں سارے رمضان تو وہ تیز قرآن پڑھتے ہیں کہ یعلمون تعلمون کے سوا کچھ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا رکوع میں بمشکل تمام شاید ایکبار سبحان ربی العظیم کہتے ہوں ترویحہ تو گویا ہوتا ہی نہیں اور جب ختم کا دن ہوتا ہے اور ذرا مٹھائی کے آنے میں دیر ہو جائے تو اب کوئی حافظ صاحب کی قرأت دیکھے کیسے گا گا کر لحن کے ساتھ قرآن پڑھتے ہیں لمبے رکوع اور لمبے سجدے ترویحہ بھی خوب لمبا کرینگے اور پکار پکار کر سبحان ذی العز والجبروت سبحان ذی الملک والملکوت سبحان الحی الذی لا یموت سبوح قدوس رب الملٰئکۃ والروح اور بہت سی دعائیں پڑھیں گے کوئی پوچھے کہ آج یہ زور زور سے کسکو یاد کر رہے

ہیں فقط مٹھائی کو کیونکہ آج حافظ صاحب کی حالت یہ ہو رہی ہے کہ ہر ترویحہ کے اوپر اِدھر اُدھر جھانک لیتے ہیں کہ مٹھائی آگئی یا نہیں اگر انہیں نماز شروع کرنے کے بعد بھی معلوم ہو جائے کہ مٹھائی آگئی ہے تو اُسی وقت سے وہ قراءت اور لحن اور لمبے رکوع لمبی ترویح سب رخصت ہو جاتے ہیں واقعی ان میاں جیوں کی تو ساری قراءت اور ساری ترویح ختم کے دن مٹھائی ہی کے واسطے ہوتی ہیں گویا مٹھائی کیا ہے جنّت ہے کہ جس طرح جنّت میں پہونچکر سارے اعمال معاف ہو جائیں گے اسی طرح اُس مٹھائی کے آتے ہی وہ قراءت اور ترویح سب رخصت ہو جاتے ہیں اب خیال کیجئے کہ ان رسوم نے ہماری حالت کو کہاں تک پہونچا دیا ہے پھر اگر کوئی خدا کا بندہ ان سے منع کرے تو اُسکو برا بھلا کہنے کو تیار ہوتے ہیں استغفر اللہ العظیم معلوم ہوا کہ محبّت کی علامت یہ ہے کہ محبوب کے ذکر کے واسطے کسی وقت اور کسی قید کا پابند نہ ہو جیسا اس وقت بلا کسی قید و تخصیص کے بیان کے لئے یہ آیت اختیار کی گئی ہے جسمیں حق سبحانہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان فرمائے ہیں ارشاد فرماتے ہیں لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ اے لوگو تمہارے پاس (ہمارے) رسول آئے ہیں جو کہ تمہیں میں سے ہیں اُن پر تمہاری مشقت (اور تکلیف) بہت گراں ہوتی ہے وہ تم پر (تمہاری بہبودی کے لئے) بہت حریص ہیں مسلمانوں پر بہت زیادہ شفیق و مہربان ہیں۔ پس ہر چند[ع] کہ جیسا اس ذکر مبارک کا مقتضا ہے کہ اسمیں کوئی قید نہ ہو اس وقت بھی کوئی قید نہیں جیسا میں ابھی بیان کر چکا ہوں کہ حضور[ع۵] صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے لئے کوئی قید نہیں اور کسی وقت کی پابندی نہیں جس وقت چاہو حضور کا ذکر کرو مگر تاہم کوئی خاص داعی دینی خاص وقت پر اس کا محرک ضرور ہوتا ہے چنانچہ اس وقت جو میں نے اس مضمون کو اختیار کیا ہے اُس کا داعی ایک[۵]

ع یہ ہر چند گویا تکریر ہے اُس ہر چند کی جو بالکل شروع وعظ میں ہے ۱۲ منہ

ع۵ یہ عبارت مرتبط ہے وعظ کے شروع کی اس عبارت سے ہر چند الخ ۱۲ منہ

سے جامع وعظ کہتا ہے کہ حضرت حکیم الامۃ نے اپنی زبان مبارک سے وعظ میں اُس انعام خاص کو ذکر نہیں فرمایا مگر چونکہ بدون اُسکے معلوم کئے ناظرین کو خلجان رہتا اس لئے احقر اُسکو بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہے وہ انعام خاص یہ ہوا کہ ایک شخص صالح ذاکر شاغل جنکو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بیداری و خواب میں اکثر ہوتی ہے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے حضور نے ارشاد فرمایا کہ حکیم الامۃ مولانا شاہ اشرف علی صاحب کو میرا سلام پہونچا دینا وہ صاحب متردد ہوئے کہ میں تھانہ بھون کبھی گیا بھی نہیں مولانا کو سلام کیسے پہونچاؤنگا تو خود حضور ہی نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے مولوی صاحب (اس سے مراد یہ روسیاہ جامع وعظ احقر ظفر ہے) وہاں جب جائینگے اُن سے کہدینا وہ پہونچا دینگے۔ جامع وعظ کہتا ہے کہ جب میں نے حضرت حکیم الامۃ کو یہ مضمون پہونچایا مولانا کی عجیب حالت ہو گئی تھی جسکو میں بیان نہیں کر سکتا۔ جواب میں ارشاد فرمایا کہ میری سمجھ میں تو کوئی لفظ بھی ایسا نہیں آتا جس سے حضور کے سلام مبارک کا جواب دوں پھر بعد میں فرمایا کہ یوں جی چاہتا ہے کہ آج درود شریف زیادہ پڑھوں وہ بھی ان الفاظ سے کہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ مولانا کی اس واقعہ سے جو حالت ہوئی وعظ کے وقت اُس کا کسی قدر ظہور ہوتا تھا اگر حضرت مولانا ضبط کامل سے کام نہ لیتے تو واقعی سُننے والوں پر قیامت آجاتی متع اللہ المسلمین بطول بقائہ ۱۲ منہ

خاص تازہ انعام ہے جو اس بندہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ مقدس سے ہوا ہے جسکے شکریہ میں تحیر تھا کہ کیا کروں کیا نہ کروں بعض احباب نے مشورہ دیا کہ اگر آج وعظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کر دیئے جائیں تو یہ بھی اُس انعام کے شکریہ کی ایک صورت ہو سکتی ہے کہ بیان سے حضور کی امت کو نفع پہونچ جانے کی اُمید ہے اس وقت وعظ لکھنے کا سامان بھی نہ تھا کیونکہ جمعہ کی نماز کے لئے آتے ہوئے رستہ ہی میں یہ مشورہ ہوا مگر خدا تعالیٰ کو چونکہ منظور تھا وقت کے وقت سب انتظام ہو گیا اس لئے میں نے اس آیت کو بیان کے لئے اختیار کیا تاکہ اُس نعمت کے شکریہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ فضائل بیان ہونے سے کچھ تسلّی ہو جاوے۔ گو حضور کے فضائل بیشمار ہیں اور مختلف قسم کے ہیں جنکا سب کا بیان کرنا تو اس وقت دشوار ہے بلکہ سب کے بیان کے لئے تو عمر بھی کفایت نہیں کر سکتی مگر میں اس وقت ایک خاص فضیلت کا بیان کرنا چاہتا ہوں جسکو حق تعالیٰ نے بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ میں بیان فرمایا ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت اور شفقت و رحمت کو بیان کروں گا جو حضور کو امت کے حال پر ہے کیونکہ وہ نعمتِ خاص بھی عنایت و شفقت ہی کے قبیل سے ہوئی ہے۔ واقعی حضور کی ہمارے حال پر یہ شفقت ہی تو ہے کہ ہم جیسے نالائقوں کے حال پر بھی توجہ فرماتے ہیں ورنہ حضور کہاں اور ہم کہاں تو اس ذکر کی ایک تو یہ وجہ ہے کہ انعام کے وقت ایک خاص جوش ہوا کرتا ہے منعم کے احسانات و فضائل کے تذکرہ کرنے کا دوسرے اس بیان کی آجکل اُمت کو ضرورت بھی ہے انشاء اللہ یہ ذکر امت کے لئے بھی بہت نافع ہوگا کیونکہ میں اس وقت یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ آجکل امت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق میں بہت کمی اور کوتاہی ہو رہی ہے چنانچہ بہت لوگ تو صرف یہی سمجھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک پیغمبر تھے احکام الٰہی پہونچا دینا آپ کا فرضِ منصبی تھا آپ نے احکام پہنچا دیئے اب ہمکو اُنپر عمل کر کے قربِ الٰہی حاصل کرنا چاہئے یہ لوگ بجز اعتقاد تبلیغ احکام اور اُن میں آپکی اطاعت کر لینے کے حضور کے ساتھ خاص تعلق پیدا کرنے کو ضروری نہیں سمجھتے حالانکہ نصوص سے تصریحاً معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اس اطاعت کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوسرے خاص تعلقات پیدا کرنے کو بھی ضروری قرار دیا ہے جن میں سے ایک حق تو آپکی عظمت کرنا ہے یعنی یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم پوری طرح بجالاؤ چنانچہ ارشاد ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ یعنی حضور کے سامنے پیشقدمی مت کرو آپکی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ کرو جس طرح آپس میں چیخ پکار کر باتیں کرتے ہو حضور کے ساتھ اس طرح باتیں نہ کرو۔ دوسری آیت میں ارشاد ہے فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

دیکھئے ایمان بالرسول پر اکتفا نہیں فرمایا عزروہ و نصروہ کی بھی قید زیادہ فرمائی جس سے معلوم ہوا کہ فلاح اور کامیابی آخرت کے لئے جس طرح آپ پر ایمان لانا شرط ہے آپکی عظمت کرنا بھی ضروری ہے اسی طرح ارشاد ہے لِتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ۔ دوسرا حق آپ کے ساتھ محبت کرنا ہے کہ وہ بھی بیحد ضروری ہے اور یہ بنص حدیث حضور کا ایک ایسا حق ہے جسکے بدون ایمان کامل نہیں ہوتا۔ چنانچہ ارشاد ہے لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین دیکھئے کتنی صاف حدیث ہے جسمیں حضور ارشاد فرماتے ہیں کہ جب تک میرے ساتھ محبت سب سے زیادہ نہ ہوگی کوئی شخص مومن (کامل) نہیں ہوسکتا۔ دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محبت کو خدا کی محبت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے لن یومن احدکم حتی یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما ان آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح حق تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض ہے اسی طرح حق تعالیٰ کی عظمت و محبت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کرنا بھی فرض ہے گو فرق مراتب کا لحاظ ان سب میں ضرور ہوگا حق تعالیٰ کی اطاعت و عظمت و محبت کی اور شان ہے اور حضور کی اطاعت و عظمت و محبت کی دوسری شان ہے مگر ہیں سب فرض اسی طرح حضور کے اور حقوق بہت سے ہیں مگر اس وقت کلی طور پر ان ہی تین حقوق کو بیان کرنا چاہتا ہوں جن کا ذکر اجمالاً ابھی کرچکا ہوں جب آپ دیکھیں گے کہ ان تین حقوق میں ہم نے کسقدر کوتاہیاں کر رکھی ہیں تو اُس سے باقی حقوق میں کوتاہی کا خود ہی اندازہ ہوجائیگا۔ سو کلی طور پر حضور کے یہ تین حقوق ہیں ایک اطاعت دوسری محبت تیسری عظمت۔ اب ان میں کوتاہی دیکھئے کہ بعض لوگ صرف اطاعت رسول کو ضروری سمجھتے ہیں حضور کے ساتھ انکو نہ تعلق عظمت ہے نہ تعلق محبت مگر میں سچ کہتا ہوں کہ بدون محبت و عظمت کے اطاعت بھی پوری طرح نہیں ہوسکتی قدم قدم پر اتباع سنت وہی کرے گا جسکے دل میں حضور کی محبت رچی ہوئی ہوگی اس لئے گو وہ اپنے آپکو مطیع رسول اور عامل بالحدیث کہیں۔ مگر سوائے چند مسائل اختلافیہ کے جنکو وہ رات دن گایا کرتے ہیں باقی افعال و اعمال کو اُن کے کوئی دیکھے کہ سوتے جاگتے اُٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے وہ اتباع حدیث کا کتنا خیال کرتے ہیں۔ رات دن آمین و رفع یدین کی حدیثیں تو تلاش کرتے ہیں کبھی یہ بھی فکر ہوئی کہ حدیث سے معلوم کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح کھانا کھاتے تھے کس طرح بیٹھتے تھے کس طرح معاملات و معاشرت میں برتاؤ کرتے تھے تقویٰ کیسے کن دقائق کی رعایت فرماتے تھے باطنی اخلاق میں آپ کا کیا رنگ تھا۔ ہم نے تو کبھی ان لوگوں کو سوائے چند اختلافی مسائل کے باقی اعمال میں اتباع سنت کا

ــــه فی روح المعانی عزروہ ای عظموہ ووقروہ کما قال ابن عباسؓ وقال الراغب التعزیر النصرۃ مع التعظیم ۱۲

گرویدہ نہ پایا اور جن میں بزعم خود اتباع کرتے ہیں وہاں بھی اطاعت کا نام ہی نام ہے زیادہ محرک اس کا وہی نفسانیت و تعصب و گروہ بندی ہے جسکی وجہ وہی ہے کہ اطاعت پوری طرح بدون محبّت کے ہو نہیں سکتی۔

اور بعض لوگ صرف محبّت رسول کو ضروری سمجھتے ہیں تو انہوں نے فقط محبّت کو لے لیا ہے مگر یہ بھی محض اُن کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے اور ظاہر ہے دعویٰ بدون دلیل مسموع نہیں ہو سکتا اور دلیل مفقود بس اُن کے نزدیک تو محبّت اس کا نام ہے کہ کبھی مجلس میلاد منعقد کر لی۔ نعتیہ غزلیں پڑھ دیں یا سُن لیں اسکے سوا اُنکو کچھ بھی خیال نہیں کہ ہم جو کچھ حرکتیں کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے راضی ہیں یا ناراض۔ ہم نے مدعیین محبّت کو دیکھا ہے کہ شراب پیتے ہیں سود لیتے ہیں زنا میں مبتلا ہیں مگر سال میں ایک دو مرتبہ ربیع الاول میں میلاد کی مجلس منعقد کر کے محبّت رسول کا دم بھرتے ہیں کیا یہ لوگ ابن مبارکؒ کا قول بھول گئے ؎

تَعْصِي الرَّسُوْلَ وَاَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهٗ   هٰذَا لَعَمْرِيْ فِي الْفِعَالِ بَدِيْعٌ
لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَاَطَعْتَهٗ   اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيْعٌ

کیا غضب ہے کہ رسُول کی محبّت کا دعویٰ ہے اور سر سے پیر تک مخالفت رسُول میں غرق ہیں بھلا یہ بھی کہیں عاشقوں کا طریقہ ہوا کرتا ہے۔ یہ عجیب محبّت ہے کہ عاشق کو محبوب کے ناراض ہو جانے کی ذرا بھی پرواہ نہو۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ جو برتاؤ یہ لوگ محبّت رسُول کا دعویٰ کر کے احکام رسُول کے ساتھ کرتے ہیں اگر کوئی ان کے ساتھ بھی برتاؤ کرے کہ انکی محبّت کا دعویٰ کر کے مجلس میں بٹھکا انکی مدح سرائی کر دیا کرے مگر ان کا حکم کوئی بجا نہ لاوے تو یہ لوگ خود اُسکی محبّت کو اُسکے مُنہ پر دے مارینگے پھر جائے افسوس ہے کہ رسُول کے ساتھ یہی برتاؤ کر کے خوش ہیں اور نازاں ہیں اور ذرا بھی نہیں ڈرتے کہ یہ محبّت تو اس قابل ہے کہ اُلٹی ہمارے مُنہ پر ماری جائے۔

اس جگہ ایک شبہ ہو سکتا ہے اُسکو بھی سمجھ لینا چاہئے وہ یہ کہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک شخص نے شراب پی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن پر حد جاری فرمائی پھر اُن سے یہ حرکت صادر ہوئی پھر آپ نے اُن پر حد جاری فرمائی جب کئی مرتبہ ایسا ہوا تو کسی دوسرے صحابی نے اُن پر لعنت کی کہ خدا اسپر لعنت کرے بار بار حضُور کے دربار میں اسپر حد جاری ہوتی ہے اور شراب پینے سے باز نہیں آتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکو لعنت کرنے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ انہ یحب اللّٰہ و رسولہ کہ اسکو بُرا بھلا مت کہو اُسکو اللہ و رسول سے محبت ہے اس حدیث کو نقل کر کے شیخ عبد الحقؒ نے اس سے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ اس حدیث سے ایک عجیب بات معلوم ہوئی کہ معصیت کے ساتھ بھی محبت خدا و رسُول جمع ہو سکتی ہے کیونکہ حضُور نے باوجود شراب پینے کے اِن شخص کو محب اللہ و الرسُول کا خطاب دیا تو شاید آجکل کے مدعیان محبّت بھی اس حدیث سے سہارا ڈھونڈھیں کہ گو ہم دوسرے گناہ کرتے ہیں مگر پھر بھی اس حدیث کے مطابق ہم اللہ و رسُول

کے محب ہو سکتے ہیں جواب یہ ہے کہ اس وقت نفس محبت میں گفتگو نہیں اور نہ میں نفس محبت کی آپ سے نفی کرتا ہوں جب کسی شخص نے کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لیا تو کسی قدر تو محبت اسکو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو ہی گی گفتگو محبت مطلوبہ میں ہے جسکی تحصیل مامور بہ ہے اور جسکے بعد دعویٰ محبت تسلیم کیا جاسکے کیونکہ دعویٰ بدون قدر معتدبہ کے صحیح نہیں کیا کوئی شخص ایک پیسہ کا مالک بنکر اپنے کو مالدار کہہ سکتا ہے آپکو اس حالت کے ساتھ اپنے آپکو محب رسول کہنے کا منہ نہیں شاید تم یہ کہو کہ پھر کیا ان صحابی میں محبت مطلوبہ نہیں تھی کیا ان میں وہ درجہ محبت کا موجود نہ تھا جو شریعت کو مطلوب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ قیاس آپ کا صحیح نہیں کیونکہ ہر شخص کی معصیت بھی برابر نہیں ہو سکتی دیکھئے ایک تو وہ شخص ہے جسکو ہر وقت اللہ و رسول ہی کی دھن ہو خدا اور رسول کی محبت میں جان و مال و آبرو قربان کرنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کرتا پھر کسی وقت شیطان نے دھوکہ دیدیا نفس کی شرارت غالب آگئی اور گناہ صادر ہوگیا۔ پھر گناہ کر کے بھی چین سے نہیں بیٹھا جب گناہ سے فارغ ہوا اور آنکھیں کھلیں تڑپ گیا اور بیقرار ہوگیا کہ ہائے کیا کروں میرا خدا مجھسے ناراض ہو گیا ہوگا اب خدا کو کس طرح راضی کروں ماعز اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ صحاح میں موجود ہے کہ ان سے زنا کی حرکت صادر ہوگئی تھی فوراً بیقرار ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مجمع عام میں آکر عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ طَھِّرْنِیْ فَقَدْ ھَلَکْتُ یا رسول اللہ میں تباہ ہو گیا مجھے پاک فرما دیجئے تنہائی میں بھی نہ کہا ایسے خدا کے خوف سے بیچین ہوئے کہ مجمع عام میں آکر زنا کا اقرار کیا نہ آبرو کا خیال کیا نہ بدنامی کا ع عاشق بدنام کو پروائے ننگ و نام کیا ✦

حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ انکی بات پر توجہ نہیں فرمائی ہر بار میں آپنے ٹالنا چاہا اور یہ فرمایا کہ شائد تم نے چھو لیا ہوگا شائد تم نے بوسہ لیا ہوگا۔ کیونکہ حضورؐ چاہتے تھے کہ اسپر حد قائم نہ ہو خدا سے توبہ استغفار کر لے کیونکہ اس طرح سے بھی گناہ معاف ہو سکتا ہے مگر انکو تو خدا پر جان فدا کرنے کی دھن لگی ہوئی تھی صاف صاف لفظوں میں بیان کیا کہ یا رسول اللہ میں نے تو اس اس طرح کیا تب آپنے مجبور ہو کر حکم دیا کہ انکو باہر میدان میں لیجا کر رجم کر و یعنی پتھر مار مار کر جان سے مار ڈالو اس وقت کسی صحابی کے بدن پر ان کے خون کی چھینٹ آپڑی تھی تو انکی زبان سے کوئی سخت لفظ ماعز کی شان میں نکل گیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت غصہ ہوئے اور فرمایا کہ ماعز اسلمی نے ایسی کامل توبہ کی ہے کہ اگر سارے مدینہ والوں پر بھی اسکو تقسیم کیا جاوے تو سب کی مغفرت ہو جائے ظاہر ہے کہ ایک شخص کی توبہ کے جب اس قدر حصے کئے جائینگے تو بظاہر ہر شخص کے کیا بانٹے آئے گا مگر ماعز کی توبہ اس قدر کامل توبہ تھی کہ اسکے ہزار ہا حصے کرنے کے بعد بھی ہر حصہ ایک مسلمان کی مغفرت کے لئے کافی تھا تو ان کے لئے تو کیا کچھ ہوا ہوگا تو بھلا ایسی خطا کو کوئی خطا کہہ سکتا ہے جس سے ایسی توبہ کاملہ نصیب ہو ع این خطا از صد صواب اولیٰ تر ست ✦ صحابہ کی معصیت پر کس کا منہ ہے جو اپنی معصیت کو

قیاس کرے اُن حضرات کی معصیت توبہ کاملہ کا سبب بنجاتی تھی جس سے اُنکو مقام توبہ جو بڑا عالی مقام ہے نصیب ہوتا تھا میرا یہ مطلب نہیں کہ معصیت سبب قریب خیر کا ہو سکتی ہے نہیں نہیں معصیت ہمیشہ موجب شر ہی ہوتی ہے کہ سبب سخط حق ہے مگر کبھی سبب بعید خیر کے لئے بنجاتی ہے اس طرح کہ معصیت سے خدا تعالیٰ ناراض ہوئے اور اُس شخص کو اپنے دل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ خدا تعالیٰ ناراض ہیں اُس سے بیچین ہوگیا اور ایسی ندامت طاری ہوئی جو کبھی نہ ہوئی تھی اُس وقت حق تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوجاتی ہے اور پہلے سے زیادہ مقامات عطا ہوجاتے ہیں تو اس طرح وہ معصیت سبب بعید خیر کا بن گئی۔ ایک دوسرا واقعہ ہے کہ حضرت عمر بن العاصؓ یا اُن کے صاحبزادے عبد اللہ زمین مصر میں اسلامی لشکر کے سردار بنے ہوئے تھے کہ لشکر میں سے چند آدمیوں نے شراب پی لی چونکہ اس وقت تک شراب کی حد مقرر نہوئی تھی اس لئے سالار لشکر نے امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لکھکر بھیجا کہ یہاں لشکر میں بعض لوگوں نے شراب پی ہے اُنکو کیا سزا دیجائے غور کیجئے کہ لشکر دشمن کی زمین میں موجود ہے اور ذرا بھی اُنکی رعایت کا خیال نہیں بلکہ حکم سزا کے لئے امیر المومنین کی خدمت میں قاصد بھیجا جارہا ہے حالانکہ دُنیا کا قاعدہ ہے کہ جب لشکر دشمن کی زمین میں ہوتا ہے تو اُسکی بہت رعایت اور خاطر کیجاتی ہے مگر حضرات صحابہ میں یہ مضمون تھا ہی نہیں چنانچہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کے اجماع کے بعد ۸۰ کوڑے شراب پینے کی سزا لکھکر بھیجدی۔ اب جسوقت یہ حکم پہونچا ہے تو یہ نہیں ہوا کہ سالار لشکر نے تفتیش کی ہو کہ شراب کس کس نے پی بلکہ آپنے ایک اعلان فرما دیا کہ جس کسی نے شراب پی ہو وہ آکر اپنے آپکو پاک کرالے بس اتنا اعلان ہونا تھا کہ لوگ آنے شروع ہوئے ایک آتا ہے کہ حضرت میں نے شراب پی تھی اُسکے بعد دوسرا آتا ہے کہ میں نے بھی شراب پی تھی۔ اب غور کیجئے کہ نہ اُن لوگوں پر کوئی ثبوت تھا نہ گواہ تھے نہ تفتیش کی گئی خود ہی اُن کے اقرار سے جُرم کا ثبوت ہورہا ہے اور ہر شخص پر ۸۰ کوڑے پڑ رہے ہیں اور یہ لوگ صحابہ بھی نہیں تھے بلکہ تابعین تھے ہر شخص خوشی کے ساتھ اپنی زبان سے شراب پینے کا اقرار کرتا ہے اور کوڑے کھا کر چلا جاتا ہے ایک تو گنہگار یہ تھے ایسے گنہگاروں کی نسبت ارشاد ہے انه یحب اللہ ورسولہ کہ اُنکو اللہ و رسُول سے محبت ہے اور یہ گناہ شیطانی دھوکہ سے صادر ہوگیا۔ ایک وہ شخص ہے کہ جسکو کبھی خدا اور رسُول کا اُٹھتے بیٹھتے خیال بھی نہیں آتا شریعت کو دو پیسے میں بیچڈالنا اُسے گوارا ہے جسوقت جو جی میں آتا ہے کرگزرتا ہے ہر کام میں بیباک ہے حلال و حرام کی تمیز ہی نہیں گناہ کرنے کے بعد بھی کچھ زیادہ پریشان و پشیمان نہیں ہوتا۔ کیا ایسے شخص کو بھی انه یحب اللہ ورسولہ میں داخل کیا جاسکتا ہے اور کیا ان لوگوں کو بھی یہ کہنے کا مُنہ ہے کہ ہم اللہ و رسُول کے محب ہیں۔ بلکہ حضرت اگر سچ مچ محبت ہوتی تو کبھی زبان سے بھی یہ دعوے نہ نکل سکتے سچے عاشقوں کی تو زبان سل جاتی ہے زبان سے اظہار ہو ہی نہیں سکتا اب رہی یہ بات کہ جب وہ زبان سے نہیں دعوے کرتے

تو دوسرے کیسے سمجھیں کہ اُن کو اللہ و رسُول سے محبّت ہے۔ سو بات یہ ہے کہ وہ زبان سے اگرچہ ظاہر نہ کریں مگر عشق بھی کہیں چھپا رہا ہے کُھل ہی جاتا ہے ؎

می تواں داشت نہاں عشق ز مردم لیکن — زردی رنگِ رخ و خشکی لب را چہ علاج

شاعر کہتا ہے کہ تم آدمیوں سے عشق کے تذکرہ کو تو چھپا سکتے ہو مگر چہرہ کی زردی اور لبوں کی خشکی کو کس طرح چھپاؤ گے غرض عشق ایسی بلا ہے کہ پوشیدہ رہ نہیں سکتا کہ عشق و مشک را نتواں نہفتن بلکہ مولانا تو فرماتے ہیں کہ عشق بے زبان عشق زبانی سے بھی زیادہ روشن ہوتا ہے کیونکہ زبانی محبت تو صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے اور عشق بے زبان کے ساتھ ساتھ دلیل بھی موجود ہے فرماتے ہیں ؎

گرچہ تفسیرِ زبان روشن گرست — لیک عشقِ بے زبان روشن ترست

اسی لئے محققین کاملین کا عشق اکثر بے زبان ہی ہوتا ہے اور وہ بے زبان رہ کر بھی سب کچھ کر گزرتا ہے۔ ہاں کبھی کبھی کامل بھی بیقرار ہو کر بول اُٹھتا ہے کہ ؎

دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدا را — دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا

یعنی جب ضبط انتہا کو پہونچ جاتا ہے اور تابِ ضبط نہیں رہتا تو بیتاب ہو کر زبان سے بھی اظہار ہو جاتا ہے تو پھر ایسے وقت میں یعنی جب کہ عشق[عہ] بے زبان کو زبان لگتی ہے تو پھر قیامت کا سامنا ہے پھر اُسکے سُننے کے واسطے بڑا مضبوط کلیجہ چاہیئے اُس وقت اُسکی بالکل یہ حالت ہوتی ہے ؎

مرا در دلیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد — وگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

پھر اگر اسپر کوئی اُسے ملامت بھی کرنے لگے تو اس وقت تو اُسکے جوش کا ٹھکانا ہی نہیں رہتا وہ بیتاب ہو کر پھر یوں کہتا ہے ؎

ساقیا برخیز و در دہ جام را — خاک بر سر کن غمِ ایّام را

گرچہ بدنامی ست نزدِ عاقلاں — مانمی خواہیم ننگ و نام را

غرض اس کا زبان سے ظاہر ہونا غضب ہے قیامت کا سامنا ہے اس کا پوشیدہ ہی رہنا بہتر ہے مگر وہ بے زبان ہو کر بھی سب کچھ کر ڈالتا ہے اُسکے ظاہر ہونے کی ضرورت ہی نہیں وہ اخفا پر بھی مخفی نہیں رہا کرتا۔ سو ایسا عاشق اگر کوئی غلطی کر گذرے وہ بیشک یحب اللہ و رسولہ کا مصداق رہتا ہے نہ یہ کہ بیباکی کرے اور مدعی محبّت بنا رہے۔ پس ایسے بیباک عاصی کی نسبت انہ یحب اللہ و رسولہ وارد نہیں ہوا وہ اُنہیں

عہ جامع وعظ کہتا ہے کہ اس وقت سامعین کی عجیب حالت تھی بعض پر بہت زیادہ وجد غالب ہوا اگر حضرت مولانا ضبط نہ فرماتے تو نہ معلوم کیا قیامت برپا ہوتی اللّٰھم متعنا بطول بقائہ ۱۲ منہ

حضرات کی بابت ارشاد ہے جو اپنی جان و مال کو خدا و رسُول پر قربان کر چکے تھے ہر وقت رضا جوئی اور اتباع کے گرویدہ رہتے تھے۔ خیر کبھی نفس کی شرارت سے گُناہ بھی صادر ہو گیا پس معیار یہ ہے کہ اگر نیکیاں زیادہ ہوں اور معاصی کم تو وہ خدا و رسُول کا محب ہے اور اگر نیکیاں کم ہوں اور گناہ زیادہ اُسکو محب نہیں کہیں گے اُس کو ابن مبارک کا قول سُنایا جائیگا کہ اگر تجھکو محبت ہوتی تو زیادہ تر اطاعت کرتا خیر کبھی اتفاقاً معصیت کا بھی صدور ہو جاتا مگر جب سرکشی کا پلّہ بھاری ہے تو اُسکو محب کون مان لیگا۔ محبت ایسی سستی چیز نہیں محبت کیلئے بڑے امتحان کی ضرورت ہے ؎

وَجَائِزَۃٌ دَعْوَی الْمَحَبَّۃِ فِی الْھَوٰی
وَلٰکِنَّ لَا یَخْفٰی کَلَامُ الْمُنَافِقٖ

چنانچہ جسطرح اطاعت نہونا ایک امتحان ہے دوسرا امتحان عظمت کا نہونا ہے چنانچہ اُس کا یہ حال ہے کہ اُن کے قلب میں عظمت کا نشان تک نہیں حالانکہ محب کے دل میں محبوب کی عظمت بھی لوازم محبّت سے ہے۔ یہ کیسی محبّت ہے کہ محبوب کی ذرا بھی عظمت نہیں۔ عظمت کا حال سُنئے یہ لوگ اپنے اشعار میں حضُور کی نسبت بہت بیہودہ الفاظ استعمال کرتے ہیں کہیں فتنہ کہتے ہیں کہیں لفظ ستم استعمال کرتے ہیں اور بعض تو اس سے بھی زیادہ غضب کرتے ہیں کہ حضُور کو ک ف ر کے لفظ سے خطاب کرتے ہیں خدا کی پناہ یہ لوگ کسقدر بیباک ہیں بعضے حضُور کی مدح اس طرح کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ کی شان میں گُستاخی ہو جاتی ہے۔ بھلا خیال کیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی مدح سے کیا خوشی ہو سکتی ہے غور کیجئے کہ اگر کوئی شخص صاحب کمشنر کے سامنے پیشکار کی ایسی مدح کرے کہ حضور جو کچھ ہیں بس آپ ہی ہیں آپ ہی کے قبضہ میں سارا اختیار ہے بدون آپ کے کوئی حاکم کچھ نہیں کر سکتا تو اُس وقت پیشکار کا ناگواری و شرمندگی سے کیا حال ہو گا۔ آیا اس مدح سے اُسکو کچھ خوشی ہو گی یا ندامت کے مارے سیروں اُس پر پانی پڑے گا۔ کہ حاکم بالا کے سامنے میں کیا چیز ہوں جو اُنکی تنقیص کرکے یہ شخص میری مدح کرتا ہے۔ بعینہ یہ حال حضُور کا ایسی مدح سے ہو گا چنانچہ حدیث میں ایک مقام پر وارد ہے۔ لَا تُسَوِّدُوْا وَجْھِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ کہ قیامت کے روز تم میرا مُنہ کالا مت کر دینا۔ یہ ایسی مدح کی نسبت اور ایسے مداحین کی بابت بھی ارشاد ہے۔ اللہ اللہ حضُور کا منور چہرۂ مبارک اور اُسکی بابت حضُور کے یہ الفاظ کہ میرا مُنہ کالا مت کرنا توبہ توبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور ایسا کیوں ہوتا (فدا لہ ابی و امی) ان مداحین ہی کا قیامت میں مُنہ کالا ہو گا۔ مگر اس کلمہ میں آپ اپنی سخت ناگواری کا کسقدر اظہار فرماتے ہیں دیکھئے صاحبو کیا یہ شعر بے ادبی کا نہیں ؎

پئے تسکین خاطر صورتِ پیراھنِ یوسُف
محمدؐ کو جو بھیجا حق نے سایہ رکھ لیا قد کا

استغفر اللہ العظیم اس شاعر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہونے کا مضمون باندھا ہے اور اسمیں کیا

عجیب توجیہ اختیار کی ہے جس سے وہ اپنے دل ہی میں خوش ہولیں مگر حضورؐ تو اس سے یقیناً سخت ناراض ہونگے یہ بات مشہور ہے کہ ہمارے حضورؐ کے سایہ نہیں تھا اب بجائے اسکے کہ یہ کہا جاتا کہ ہمارے حضورؐ سرتاپا نور ہی نور تھے حضورؐ میں ظلمت نام کو بھی نہ تھی اس لئے آپکے سایہ نہ تھا کیونکہ سایہ کے لئے ظلمت لازمی ہے شاعر صاحب اس مضمون کو اس طرح باندھتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجا تو بیقرار ہوگئے کہ اب میرا محبوب مجھ سے جدا ہوتا ہے کہاں دیکھوں گا تو تسکین خاطر کے لئے آپ کا سایہ رکھ لیا کہ اسی کو دیکھکر تسکین کر لیا کرونگا جیسا کہ یوسف علیہ السلام کو جب یعقوب علیہ السلام نے جدا کیا تو انکو پیراہن یوسفی سے تسلی ہوتی تھی الٰہی توبہ الٰہی توبہ دیکھئے اس مضمون میں حق سبحانہ تعالیٰ کی کسقدر بے ادبی کی گئی ہے اوّل تو حق تعالیٰ کو حضورؐ کی محبت میں بیقرار مانا کہ اُنکے واسطے تسلّی کی ضرورت ثابت کی حالانکہ خدا تعالیٰ اس سے بالکل منزّہ اور پاک ہیں جب خدا کو بھی بیقراری ہونے لگے اور تسکین خاطر کی ضرورت ہو تو پھر خدائی کس طرح باقی رہے گی۔ دوسرے اس سے یہ لازم آتا ہے کہ دنیا میں آکر حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم خدا سے ایسے دور پڑ گئے کہ خدا تعالیٰ انکو دیکھ بھی نہ سکتے تھے اسمیں حضورؐ کی کسقدر تنقیص ہے کہ خدا تعالیٰ سے بعید مانا اور خدا پر کیسا دھبّہ لگایا کہ دنیا میں بھیجکر وہ اپنے محبوب کو دیکھ بھی نہیں سکتے گویا بصیر کی صفت نہ رہی تھی کیا خدا اور رسولؐ کی یہی عظمت ہونی چاہیئے۔

کبھی حضورؐ کی مدح میں انبیا علیہم السّلام کی اہانت کی جاتی ہے اسکی بالکل ایسی مثال ہے کہ ایک بھائی کی مدح اس طرح کی جائے کہ اُسکے دوسرے بھائی کو اُسکے سامنے گالیاں دیجائیں کیا ایسی مدح سے کوئی شخص خوش ہوسکتا ہے جسمیں اُسکے دوسرے بھائی کو بُرا بھلا کہا جائے اور بھائی بھی کیسے دو قالب یک جان انبیاء علیہم السّلام آپس میں سب بھائی بھائی ہیں اور اُن میں ایسا اتفاق ہے کہ ہرگز دوسرے کی اہانت کو ایک گوارا نہیں کرسکتا اور انبیاء علیہم السّلام کی یہ توہین کہیں تو تہذیب کے ساتھ ہوتی ہے کہیں بدتہذیبی سے چنانچہ بدتہذیبی کے ساتھ توہین کی یہ مثالیں ہیں کسی شاعر نے آپکی نعت لکھنے کے لئے خیالی سیاہی تیار کی ہے تو اُسمیں کہا ہے "دیدہ یعقوب کھرل الخ" استغفر اللہ یعقوب علیہ السّلام کی شان میں کسقدر گستاخی ہے کسی دوسرے شاعر نے اس کا خوب جواب دیا ہے ؎

ابھی اُس آنکھ کو ڈالے کوئی پتھر سے کچل | نظر آتا ہے جسے دیدہ یعقوب کھرل
توبہ ہے یوں ہو کہیں عین نبی مستعمل | کوئی تشبیہ نہ تھی اور نصیب اجہل

کبھی یوسف علیہ السّلام کی توہین کی جاتی ہے اور عیسیٰ علیہ السلام تو بھلا تختہ مشق ہیں اُنکی شان میں تو بہت ہی گستاخی کی جاتی ہے ایک صاحب کہتے ہیں ؎

برآسمانِ چہارم مسیح بیمارست | تبسم تو برائے علاج درکارست

کہ عیسیٰ علیہ السّلام آسمان چہارم پر بیمار ہیں اُنکی شفاء کے لئے آپ کے تبسم کی ضرورت ہے۔ بھلا جو نبی بیماروں کو اچھا کرتے ہوں اُنکو محض حضور کے تبسم کو شفاء ثابت کرنے کے لئے بیمار مانا جائے یہ کتنی بڑی گستاخی ہے۔ کیا حضور کے تبسم کا شفا ہونا اسکے بدون بیان نہ ہو سکتا تھا پھر آسمان پر بیمار کیونکر ہو سکتے ہیں وہ تو ایسی جگہ ہیں جہاں اُنکو نہ کھانے کی ضرورت نہ پینے کی نہ آب و ہوا وہاں کی خراب جو بیمار ہونے کا احتمال بھی ہو۔

اور یہ کرتے ہیں کہ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی غزل جو کسی محبوب مجازی کی شان میں ہے تضمین کر کرا کے اسکو حضور کی نعت میں پڑھتے ہیں جسمیں یہ مصرع بھی ہے ع　اے نرگسِ زیبائے تو آوردہ رسم کافری

اور اگر اس قسم کے مضامین کسی بزرگ کے کلام میں پائے جائیں تو اُسکو غلبۂ حال پر محمول کیا جائیگا۔ مگر ان شاعروں کے کلام میں ہمکو تاویل کی کیا ضرورت۔ جنکو نہ محبت ہے نہ خاک محض تک بندی ہی چاہتے ہیں یہ تو بدتہذیبی کے ساتھ اہانت انبیاء علیہم السّلام کی مثالیں تھیں۔ بعض لوگ تہذیب کے ساتھ انبیاء علیہم السّلام کی توہین کرتے ہیں اور اسمیں عوام کی تو کیا شکایت کی جائے خواص تک مبتلا ہیں گو میرے اس بیان سے بعض خشک علماء ناخوش ہونگے مگر جو بات ناحق ہوگی اُسکو تو بیان کیا ہی جائیگا۔ بعض واعظین و مصنفین و مدرسین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت دیگر انبیاء علیہم السّلام کے مقابلہ میں اس طرح سے ثابت کرتے ہیں کہ اُس سے اُنکی تنقیص لازم آجاتی ہے گو اُنکی نیت تنقیص کی نہ ہو مگر اس طرح مقابلہ میں حضور کی فضیلت بیان کرنا جس سے دوسرے انبیاء کی تنقیص کا وہم بھی ہو جائز نہیں اسی لئے میں نے یہ کہا تھا کہ بعض لوگ تہذیب کے ساتھ انبیاء کی توہین کرتے ہیں اُسکی ایک مثال یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام کا معجزہ مشہور ہے کہ اُن کے پتھر پر عصا مارنے سے پانی کے چشمے جاری ہوگئے تھے اب بعض مدرسین اسکی کوشش کرتے ہیں کہ انبیاء سابقین کے ہر ہر معجزہ کے مقابلہ میں حضور کے معجزات کو اُن سے افضل و اکمل ثابت کریں چنانچہ اس معجزۂ موسوی کے مقابلہ میں بھی یہ حضور کا ایک معجزہ بیان کرتے ہیں کہ اگر موسیٰ علیہ السّلام کے عصا مارنے سے پتھر سے چشمے جاری ہوگئے تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُنگلیوں سے غزوۂ حدیبیہ میں پانی جاری ہوگیا تھا جس سے تمام لشکر سیراب ہوگیا اور حضور کے اس معجزہ کو معجزۂ موسوی سے افضل ثابت کرنے کے لئے اس طرح تقریر کرتے ہیں کہ پتھر سے پانی کا نکلنا کچھ زیادہ عجیب نہیں کیونکہ بعض پتھروں سے چشمے نکلتے ہیں مگر لحم و شحم سے پانی کا جاری ہو جانا یہ بہت عجیب ہے اس تقریر سے مفضول اور افضل دونوں کی تنقیص لازم آتی ہے مفضول کی تنقیص تو ظاہر ہے کہ اس تقریر میں موسیٰ علیہ السّلام کے معجزہ کی وجہ اعجاز کو کمزور کر دیا گیا ہے کہ پتھر سے پانی کا نکلنا کچھ چنداں جائے تعجب نہیں گویا موسیٰ علیہ السّلام کا معجزہ کوئی بڑا بھاری معجزہ نہ تھا استغفر اللہ ایک ایسے معجزہ کو جسے حق سبحانہ تعالیٰ نے جابجا امتنان و اظہار قدرت کے لئے بیان فرمایا ہے اعجاز میں کمزور اور معمولی بتلانا کتنا بڑا غضب ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص اس سے اس طرح لازم آتی ہے کہ ان حضرت نے اس واقعہ کے

معجزہ ہونے کو اسپر موقوف کیا ہے کہ حضور کی انگلیوں سے پانی نکلتا تھا حالانکہ اس کا کہیں ثبوت نہیں احادیث سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے ایک پیالہ میں پانی منگاکر اپنا دست مبارک اسمیں رکھ دیا تو وہ پانی اُبلنے لگا حضور کی اُنگلیوں کے درمیان سے اُبلتا ہوا نظر آتا تھا۔ اس سے یہ کہاں معلوم ہوتا ہے کہ لحم و شحم سے پانی نکلتا تھا بلکہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ حضور کے دست مبارک رکھ دینے سے وہ پانی بڑھنے لگا اور جوش مارنے لگا اور انگلیوں کے درمیان سے اُس کا اُبلنا نظر آتا تھا اب جن صاحب نے اس معجزہ کے اعجاز کو اس بات پر موقوف کیا ہے کہ پانی لحم و شحم سے نکلا تھا جس کا کچھ ثبوت نہیں تو گویا در پردہ وہ اس اعجاز کے معجزہ ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ لحم و شحم سے تو پانی کا نکلنا ثابت ہی نہ ہوا۔ ایک دوسرے صاحب کہتے ہیں ؎

موسیٰ ز ہوش رفت بیک جلوۂ صفات
تو عین ذات مے نگری در تبسمی

مطلب ان کا یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام تو ایک تجلّی صفاتی سے بیہوش ہوگئے اور آپ نے تجلّی ذاتی کا مشاہدہ کیا اور تبسم ہی فرماتے رہے۔ بھلا ان حضرت سے کوئی پوچھے کہ کیا تم تجلّیٔ طور کے وقت موجود تھے جو تم نے قطعی فیصلہ کردیا کہ موسیٰ علیہ السلام پر تجلّی صفاتی ہوئی تھی یا تم شب معراج میں حضور کے ساتھ تھے جو یقین کے ساتھ حکم لگاتے ہو کہ حضور پر تجلّی عین ذات ہوئی تھی محض تخمین اور قیاس سے جو چاہا حکم لگا دیا حالانکہ شب معراج کا حال کسی کو کیا معلوم ہوسکتا ہے کہ حضور پر تجلّی کیسی ہوئی تھی۔

ایک بزرگ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حق تعالیٰ کی کیا کیا باتیں ہوئیں؟ اُنھوں نے جواب میں یہ شعر فرمایا ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں
بُلبُل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

واقعی خوب ہی جواب دیا اس وقت کسی کی کیا طاقت جو ان اسرار کو یقینی طور پر معلوم کرسکے اگر قسمت میں ہے تو جنت میں جاکر معلوم کرلیں گے باقی یہاں اوّل تو کسی کو معلوم کس طرح ہوسکتا ہے اور جو کسی کو کشف سے کچھ معلوم بھی ہوتا ہے تو وہ ظنی ہے اُسپر یقین کیونکر ہوسکتا ہے مگر یہ حضرت تو بڑی پختگی کے ساتھ بلا کھٹکے فرماتے ہیں ع

تو عین ذات می نگری در تبسمی ٭ گویا یہ بھی معراج کے وقت سارا معاملہ دیکھ رہے تھے پھر اس شعر میں جو فضیلت شاعر صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمائی ہے وہ فضیلت بھی تو نہیں بن سکتی۔ وہ فضیلت یہ بیان کی ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام ایک تجلّی صفاتی سے بیہوش ہوگئے تھے اور آپ عین ذات کے مشاہدہ کے وقت بھی تبسم ہی میں رہے۔ اگر تھوڑی دیر کو انکی خاطر یہ مان بھی لیا جائے کہ موسیٰ علیہ السّلام پر تجلّی صفاتی ہوئی تھی اور حضور پر تجلّی ذاتی تو جو نقص یہ موسیٰ علیہ السّلام پر لگاتے ہیں اگر معاذ اللہ وہ کوئی نقص ہے تو حضور میں اس سے زیادہ لازم آئیگا کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السّلام سے ایکبار درخواست

کی تھی کہ تم مجھے ایک دفعہ اپنی اصلی صورت دکھلا دو حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ یا رسول اللہ آپ دیکھ نہ سکیں گے حضور نے فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے تو ایک دن حضرت جبریل علیہ السلام اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوئے نہایت حسین وجمیل صورت تمام آفاق آسمان کو اُن کے پَر گھیرے ہوئے تھے۔ حضور نے جو اُنکو ایک نگاہ بھر کر دیکھا تو آپ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ تو اگر کوئی یہودی اس واقعہ سے یہ اعتراض کرے کہ موسیٰ علیہ السلام تو خدا کی تجلی سے بیہوش ہوئے تھے اور تمہارے نبی ایک فرشتہ کو دیکھکر بیہوش ہو گئے اگر خدا کو دیکھکر بیہوش ہو جانا کوئی نقص کی بات ہے تو ظاہر ہے کہ فرشتہ کو دیکھکر بیہوش ہونا اُس سے بڑھکر نقص ہوگا تو اُس وقت یہ شاعر صاحب کہاں جائینگے جو فرماتے ہیں ؎

موسیٰ زہوش رفت بیک جلوۂ صفات تو عین ذات می نگری در تبسمی

بے سمجھے ایسی بات کہہ ڈالنا بھی غضب ہے۔ اب آپنے دیکھ لیا کہ حضور کی فضیلت ثابت کرنے بیٹھے تھے مگر اُلٹا اعتراض لازم آگیا۔ کسی نے سچ کہا ہے ع ”دوستیِ بیخرد چوں دشمنی است“

اب اسکی حقیقت سُنئے بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شب معراج میں بیہوش نہونا کوئی ایسا امر نہ تھا جسکے مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام کے بیہوش ہو جانے کو دلیل مفضولیت کی ٹھیرائی جاوے۔ نہ موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر بیہوش ہونا کوئی ایسی حالت تھی جسکی نسبت حضور کے شب معراج میں بیہوش نہونے کو دلیل افضلیت کہا جاوے۔ بلکہ وجہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر تجلی الٰہی عالم ناسوت میں ہوئی تھی اور اس عالم میں قویٰ انسانی کمزور ہوتے ہیں اس لئے وہ بیہوش ہو گئے اور اگر حضور پر بھی اسی عالم میں تجلی ہوتی تو آپ بھی بیہوش ہو جاتے۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام کو دیکھکر آپ کا بیہوش ہو جانا ثابت ہے آخر اُسکی کیا وجہ تھی فقط یہی کہ عالم ناسوت میں آپکے قویٰ کمزور تھے۔ اور شب معراج میں آپ اس لئے بیہوش نہوئے کہ وہ عالم ملکوت ہے اُس وقت حضور پر ملکیت غالب تھی آپکے قویٰ متحمل ہو گئے تھے عالم ملکوت میں اگر موسیٰ علیہ السلام پر بھی تجلی ہوتی تو وہ بھی بیہوش نہوتے۔

غرض یہ طریقہ ہرگز پسندیدہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل دیگر انبیاء کا مقابلہ کرکے اس طرح بیان کئے جائیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کبھی اُس سے خود حضور کی بھی تنقیص لازم آجاتی ہے اور اگر یہ نہ بھی ہو تب بھی آخر دیگر انبیاء علیہم السلام کا ادب بھی تو لازمی ہے جب ہمارے حضور اُن کا ادب کرتے تھے تو ہمکو ضرور اُن کا ادب کرنا چاہئے۔ پس اسلم یہ ہے کہ اس بارہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا اتباع کیا جائے۔ حضور کا ارشاد ہے لَا تُفَضِّلُوْا بَیْنَ اَنْبِیَاءِ اللّٰہِ مطلب حضور کا یہ ہے کہ تم انبیاء میں ایک کو دوسرے پر محض اپنی رائے سے کسی وجہ سے افضل نہ ثابت کرو۔ یہ مطلب نہیں کہ انبیاء سب برابر ہیں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں کیونکہ بعض مقامات پر حضور نے خود کچھ اپنے فضائل ذکر فرمائے ہیں کیونکہ امت پر اُن فضائل کا اعتقاد ضروری تھا۔

سو اُن فضائل منصوصہ کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں لَا تُفَضِّلُوْا بَیْنَ اَنْبِیَاءِ اللّٰہِ۔ سے تفضیل بالرائے کی نفی مقصود ہے کہ تم خود اپنی رائے سے وجہ فضیلت تراش کر کے انبیاء میں تفضیل مت کرو کہ اسمیں اندیشہ دیگر انبیاء کی تنقیص کا ہے اور فضائل منصوصہ کے بیان کرنے میں یہ اندیشہ نہیں کیونکہ وہ خود حضور کی زبان مبارک کے ارشاد فرمودہ ہیں اُن میں کسی کی تنقیص نہیں۔ مثلاً فضائل منصوصہ یہ ہیں کہ حضور فرماتے ہیں اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا۔ اَنَا سَیِّدُ وَلَدِ اٰدَمَ میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں۔ اَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَّاَوَّلُ مُشَفَّعٍ۔ میں سب سے پہلے شفاعت کرونگا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کیجائیگی۔ انا صاحب لواء الحمد وادم ومن بعدہٗ تحت لوائی میرے ہی ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا آدم علیہ السلام سے لیکر قیامت تک کے تمام آدمی میرے جھنڈے کے نیچے ہونگے۔ لو کان موسیٰ حیًّا لما وسعہ الا اتباعی اگر اس وقت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو میرا ہی اتباع کرتے اور اُسکے سوا فضائل منصوصہ بکثرت ہیں اگر کسی کو شوق ہو تو یہ فضائل بیان کرے مگر اپنی طرف سے تراش کر وجوہ فضائل بیان کرنا خطرہ سے خالی نہیں۔ کیا کہوں علماء تک اسمیں مبتلا ہیں ایک تفسیر کی کتاب جو داخل درس ہے اور سب اُسکو پڑھتے پڑھاتے ہیں اُس تک میں ایسے مضامین موجود ہیں موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ جب بنی اسرائیل کو لیکر حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے چلے تو طلوع شمس کے بعد فرعون نے اُنکو جا لیا اُس کا لشکر قریب پہونچ گیا تو بنی اسرائیل نے گھبرا کر کہا کہ بس ہم تو پکڑے گئے اُسپر موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ اسپر وہ مفسر لکھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے اس قول سے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو ترجیح ہے جو حضور نے غار ثور میں صدیق اکبرؓ سے فرمایا تھا جبکہ کفار غار کے قریب پہونچ گئے اور وہاں جاکر باتیں کرنے لگے کہ یہاں تک تو نشان قدم کا پتہ چلتا ہے یہاں سے آگے نشان قدم نہیں معلوم ہوتے نہ معلوم آسمان پر چڑھ گئے یا زمین میں غائب ہو گئے تو حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر یہ لوگ اپنے پیروں کی طرف نگاہ کریں تو ہمکو دیکھ لینگے تو حضور نے ارشاد فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا وہ مفسر فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے مَعِیَ فرمایا بصیغۂ واحد متکلم کہ خدا میرے ساتھ ہے اور ہمارے حضور نے مَعَنَا بصیغۂ جمع متکلم فرمایا کہ خدا ہمارے ساتھ ہے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھ کسی کو شریک نہیں فرمایا اور حضور نے جمع کے صیغہ سے دوسروں کو بھی اپنے ساتھ شریک فرمایا دوسرے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ذکر کو خدا کے ذکر سے مقدم فرمایا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ پہلے مَعِیَ ہے پھر رَبِّیْ ہے اور حضور نے خدا تعالیٰ کے ذکر کو اپنے ذکر سے مقدم فرمایا اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا میں کہتا ہوں کہ بلاغت کوئی کمال نہیں ثبوت سے نہیں ہو سکتے کمالات

دوسری قسم کے ہیں بلاغت کو اسمیں کیا دخل سکی تو بالکل ایسی مثال ہوئی کہ جیسے کوئی یہ دعویٰ کرے کہ یوسف علیہ السلام تمام انبیاء سے زیادہ حسین تھے اس لئے وہ سب سے افضل تھے ظاہر ہے کہ اس کا یہی جواب دیا جائیگا کہ حسن صورت کمالات نبوت سے نہیں اسلئے اس سے فضیلت ثابت نہیں ہوسکتی بس اسی طرح بلاغت کلام بھی کوئی شرائط نبوت سے نہیں جس کی وجہ سے ایک نبی کی دوسرے کے اوپر فضیلت ثابت کی جاسکے ورنہ اگر فضیلت کے یہی معنی ہیں کہ ہر بات میں افضل ہو تو شاید یہ بھی دعویٰ کیا جائیگا کہ فلاں ولی سے رستم افضل ہے کیونکہ رستم کی قوت جسمانی اُس ولی سے زیادہ تھی مگر ظاہر ہے کہ اس سے اُس ولی کی طرف کوئی نقص عائد نہیں ہوسکتا کمالات ولایت میں قوت جسم کو کیا دخل ہاں قوت قلبیہ مقبولین کی سب قویاء سے زیادہ ہوتی ہے جس کا اندازہ قوت فیضان سے ہوسکتا ہے یہ گفتگو تو تسلیم کے بعد تھی ورنہ ہم یہی تسلیم نہیں کرتے کہ موسیٰ علیہ السّلام کا یہ قول بلاغت میں کچھ حضورؐ کے قول سے کم ہے کیونکہ بلاغت کلام کے معنی یہ ہیں کہ کلام مقتضیٰ حال کے موافق ہو تو ان دونوں اقوال میں سے کسی کو دوسرے سے ابلغ اُس وقت کہا جاسکتا ہے جبکہ یہ ثابت کر دیا جائے کہ دونوں یکساں حال میں صادر ہوئے اور دونوں حال بالکل متحد تھے اور یہ ثابت نہیں ہوسکتا بلکہ واقعات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں جگہ حال مختلف تھا موسیٰ علیہ السّلام کے ساتھ ایک اکھڑ جاہل قوم تھی جسوقت لشکر فرعون کو اُس نے آتے ہوئے دیکھ لیا تو موسیٰ علیہ السّلام کے قول پر بھی اُنکو اعتماد نہ رہا کہ حق تعالیٰ میری مدد فرمائینگے اور اس قوم ظالم سے مجھکو نجات دینگے اُنہوں نے بڑی پختگی اور یقین کے ساتھ یہ کہہ ڈالا کہ اِنَّا لَمُدْرَكُونَ کہ اب تو ہم یقیناً پکڑے گئے جملہ اسمیہ اور اِنَّ و لام سے تاکید اُن کے کلام میں موجود ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام اُن لوگوں نے موسیٰ علیہ السّلام کے وعدوں سے بے اعتقاد ہو کر کہا تھا اب فرمائیے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ معیت حق کہاں باقی رہی تھی یہ حال اسی کو چاہتا ہے کہ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ بصیغۂ واحد استعمال کیا جائے۔ اب حضورؐ کے کلام کو دیکھئے کہ حضورؐ نے جو اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا بصیغۂ جمع ارشاد فرمایا وہاں کیا حال تھا حضورؐ کے ساتھ اس وقت فقط صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور یہ کہیں ثابت نہیں کہ نعوذ باللہ صدیق اکبرؓ نے کوئی بے اعتقادی کی بات ظاہر کی ہو یا اُن کے کسی حال سے بے اعتقادی ظاہر ہوئی ہو بلکہ سچ پوچھئے تو حضرت صدیق اکبرؓ کو جو اُس وقت حُزن تھا وہ اپنی جان کے اندیشہ کی وجہ سے نہ تھا ورنہ اپنے کو سانپ کے مُنہ میں نہ دیتے۔ بلکہ اُن کا سارا حُزن فقط حضورؐ کی وجہ سے تھا کہ حضورؐ کا کہیں بال بیکا نہ ہو جائے۔ تو ایک تو وہ حال تھا کہ ساتھ میں بے اعتقاد قوم تھی جس نے دشمن کو آتے ہوئے دیکھکر یقین کر لیا کہ بس ہم گرفتار ہو جائینگے اور موسیٰ علیہ السّلام کے وعدوں کے ہوتے ہوئے کیسے پُختگی کے ساتھ زبان سے یہ لفظ نکال گئے اِنَّا لَمُدْرَكُونَ یہ بھی نہ خیال کیا کہ ہم خدا کے حکم سے نکلے ہیں خدا تعالیٰ نے مدد کا وعدہ فرمایا ہے ایسی قوم کے لئے یہی جواب زیبا تھا جو موسیٰ علیہ السّلام نے دیا کَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ کہ سب سے

پہلے لفظ کَلّا بڑھایا جو لغت عربی میں ڈانٹنے اور دھمکانے کے لئے بولا جاتا ہے گویا کہ کلّے پر طمانچہ مار دیا کہ ہرگز نہیں خدا میرے ساتھ ہے وہ مجھکو راہ پر پہونچائیگا۔ دوسری جگہ یہ حالت ہے کہ ساتھ میں ایک صدیقؓ ہے جس سے کبھی بے اعتقادی کا وہم بھی نہیں ہوا۔ ہمیشہ ہر بات کو سب سے پہلے ماننے والا ہے اور جان نثار ہے کہ اسکو اپنی جان کا غم نہیں حضورؐ ہی کا غم تھا اُسکو معیت حق میں کیونکر نہ شریک کیا جاتا اور کیونکر اُسکی تسلی نہ کی جاتی اس لئے حضورؐ نے یہ فرمایا لَا تَحْزَنْ غم نہ کرو اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا خدا ہم دونوں کے ساتھ ہے۔

غرض کہ موسیٰ علیہ السّلام کا کلام اُس حال کے مقتضیٰ کے بالکل موافق تھا اگر وہ حال حضورؐ کو پیش آتا تو بقاعدہ بلاغت حضورؐ بھی غالبًا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ ہی فرماتے۔ اور حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اس حال کے مقتضیٰ کے موافق تھا اگر یہ حال موسیٰ علیہ السّلام کے ساتھ ہوتا تو وہ بھی غالبًا اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ہی فرماتے۔ اب آپ نے دیکھ لیا کہ اپنی طرف سے تراشی ہوئی وجہ فضیلت کا یہ حال ہوتا ہے کہ اُسکو ذرا سے تأمّل کے بعد ایک ادنیٰ طالب علم نے توڑ دیا۔ اب بھلا ان حضرت مفسر سے کوئی پوچھے کہ جیسا آپ نے دونوں اقوال کو تو دیکھا تھا احوال کو بھی تو دیکھا ہوتا کہ موسیٰ علیہ السّلام کا قول کس موقعہ پر صادر ہوا اور حضورؐ علیہ السّلام کا ارشاد کیسے موقعہ پر صادر ہوا۔ اسکے بعد یہ بھی کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السّلام نے اپنے ذکر کو خدا کے ذکر سے مقدم کیا اور ہمارے حضورؐ نے خدا کے ذکر کو اپنے ذکر سے مقدم کیا۔

اے صاحبو کیا اس تقریر میں موسیٰ علیہ السّلام پر سخت اعتراض نہیں ہوا کہ معاذ اللہ اُنکو بولنا بھی نہ آتا تھا اُن کو بات کرنے کا بھی سلیقہ نہ تھا کہ خدا کے ذکر سے اپنے ذکر کو مقدم کر دیا میں یہ نہیں کہتا کہ مفسر کے دل میں بھی یہ اعتراض ہوگا مگر اُنکی اس تقریر سے ہر سُننے والے کو موسیٰ علیہ السّلام کی نسبت یہی بدگمانی پیدا ہوگی۔ استغفر اللہ العظیم۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اس سے بھی موسیٰ علیہ السّلام کا قول کسی طرح غیر ابلغ نہیں ہو سکتا۔ بات یہ ہے کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں کہ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السّلام کے ہمراہیوں کے قول سے چونکہ بے اعتقادی اور عدم یقین بر وعدۂ خداوندی کا ظہور ہو چکا تھا اس لئے موسیٰ علیہ السّلام اس جواب میں ناراضی کے ساتھ یہ بات ظاہر فرماتے ہیں کہ جب تمہارے اعتقاد و یقین کی یہ حالت ہے تو فقط میرے ہی ساتھ معیّت حق شامل ہے تمہارے ساتھ معیّت حق نہیں تو آپ کا مقصود حصر بیان فرمانا ہے اور قاعدۂ بلاغت مشہور ہے۔

تقدیم ما حقہ التاخیر یفید الحصر اس لئے آپ نے لفظ معی کو ربی سے مقدم فرمایا تو حصر کیلئے کسی لفظ متأخر کو مقدم کر دینا یہ تو عین بلاغت ہے اس سے موسیٰ علیہ السّلام کے قول کی کامل بلاغت باقی رہی یا کم ہوئی اور ہمارے حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ حصر مقصود نہ تھا اس لئے آپ نے اپنے ذکر کو مقدم نہ فرمایا چونکہ حضورؐ کا مقصود صدیقؓ اکبر کو بھی معیت حق میں شامل کرنا تھا کیونکہ اُن سے جس جان نثاری کا ظہور ہوا تھا اُسکی وجہ سے وہ اس قابل تھے کہ اُنکو معیت حق میں شریک کیا جائے اگر حضورؐ کو بھی حصر مقصود ہوتا تو شاید حضورؐ

بھی بقاعدۂ بلاغت اپنے ذکر کو مقدم فرماتے تو یہ غیر بلیغ کیا ہوا۔ غرض معلوم ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دیگر انبیاء علیہم السّلام کی آپ کے مقابلہ میں تنقیص کی جائے۔ ایسی عظمت سے نہ خدا تعالیٰ راضی ہیں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہیں ایک بار اسی قسم کا واقعہ دربارِ نبوی میں پیش ہوا کہ ایک صحابی کے ساتھ کسی یہودی کی گفتگو ہوئی مسلمان صحابی نے ضمن قسم میں یہ فرمایا تھا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں وہ یہودی قسم ہی کے ضمن میں کہتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام تمام انبیاء سے افضل ہیں صحابی نے غصّہ میں آکر یہودی کے ایک طمانچہ مارا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لایا تو حضور نے صحابی پر غصّہ ظاہر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ لَا تُفَضِّلُوا بَيْنَ أَنْبِيَاءِ اللّٰهِ اگرچہ اُس یہودی کا قول حقیقت میں غلط تھا اور صحابی حق پر تھے جو بات وہ کہہ رہے تھے غلط نہ تھی فی الواقع حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے یہانتک کہ موسیٰ علیہ السّلام سے بھی افضل ہیں مگر اس وقت اُن صحابی کے فعل سے حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السّلام کی تنقیص کا شبہ ہو سکتا تھا (اگرچہ اُنکی نیت یہ نہ تھی) اس لئے حضور نے ایسی گفتگو سے منع فرما دیا۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ یہ طرز جو بعض حضرات علماء نے اختیار فرمایا ہے اچھا نہیں ہے اسمیں بڑا خطرہ ہے اگرچہ اُنکی نیت تنقیص کی نہ ہو مگر اس قسم کی تقریروں سے جو کہ مقابلہ کی صورت سے محض رائے سے ہوں تنقیص لازم آہی جاتی ہے۔

یہ گفتگو تھی حقیقی عظمت نہ کرنے والوں کے ایک گروہ کے باب میں اور ان حقیقی عظمت نہ کرنے والوں کا ایک گروہ اور بھی ہے یعنی آجکل کی نئی تعلیم یافتہ جماعت وہ یہ کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی عظمت کو جانتے ہی نہیں گو ظاہر میں عظمت کرتے ہیں وجہ اُسکی یہ ہے کہ وہ لوگ حضور کی عظمت بوجہ مَلکیّت اور سلطنت کے کرتے ہیں۔ اُنہوں نے حضور کے تمام کمالات میں سے صرف انتظام مملکت اور تمدن و سیاست کو منتخب کر لیا ہے جب حضور کے فضائل بیان کرینگے تو اُن سب کا خلاصہ یہ نکلے گا کہ بس حضور ایک بڑے بیدار مغز بادشاہ اور ریفارمر تھے کہ آپ نے اپنی خداداد قابلیت سے عرب جیسی جاہل قوم کو مہذب بنا دیا اور اُن کے باہمی اختلافات کو رفع کر کے سب کو متحد و متفق بنا کر حکمرانی اور سلطنت کے قابل اُن کو بنا دیا حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصلی کمالات وہ ہیں جو بحیثیت نبوت کے ہیں گو آپ میں اور شیون و کمالات بھی تھیں مگر وہ دوسرے کمالات اس کمال نبوت کے تابع ہیں اُن میں سے ایک ملک و سلطان ہونا بھی ہے۔ مگر آجکل کی نئی تعلیم یافتہ جماعت حضور کے تمام فضائل میں صرف شان مَلکیت و بادشاہت کی وجہ سے آپکی عظمت کرتے ہیں آپکی نبوت و رسالت کے کمالات سے بحث نہیں کرتے کہ آپکی معرفت و علم کیسا تھا آپ سے معجزات و خوارق کیسے کیسے صادر ہوئے بلکہ اکثر تو مغربی تعلیم کے اثر سے مغلوب ہو کر معجزات کا انکار ہی کرتے ہیں چنانچہ آجکل ایک جدید

سیرت نبویہؐ چھپی ہے جسپر تمام نئی تعلیم یافتہ جماعت غش ہے مگر اُسکو اوّل سے آخر تک دیکھنے سے جو خلاصہ نکلتا ہے وہ صرف یہی ہے کہ حضورؐ ایک بہت بڑے مدبّر و بیدار مغز بادشاہ تھے یا ایک مصلح قوم ریفارمر تھے اور اُس سیرت کو دیکھکر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی بادشاہ کی سیرت ہے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کسی اولوالعزم رسول کی سیرت ہے کیونکہ اُسمیں حضورؐ کے کمالات رسالت کی بحث ہی نہیں۔ میں جب ضلع فتحپور گیا تو ایک صاحب میرے ملنے والے ہیں اُنہوں نے ایک شخص کے ہاتھ وہ سیرت میرے پاس بھیجی کہ ذرا اسکو دیکھ لو اور یہ بتلا دو کہ یہ سیرت دیکھنے کے قابل ہے یا نہیں میں نے یہ عذر کیا کہ بھائی میں اس وقت سفر میں ہوں اس وقت ساری کتاب کا دیکھنا دشوار ہے اور دو تین مواقع دیکھکر میں یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ اسمیں کیا خوبی ہے اور کیا خرابی ہے۔ جب میں وطن پہونچوں گا وہاں بھیجدیجائے تو میں وہاں دیکھکر اس کا فیصلہ کر سکتا ہوں اُسی مجلس میں ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے اُنہوں نے کہا کہ آپکو اس ساری کتاب کے دیکھنے کی ضرورت نہیں میں ایک موقع دکھاتا ہوں بس اُسی کو دیکھ لینا کافی ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے ایک موقع نکالکر دکھایا اُس جگہ مصنف نے حضورؐ کی جامعیت کمالات کو ظاہر کرتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ عیسیٰ علیہ السّلام میں انتظام سلطنت کی قابلیت نہ تھی۔ نوح علیہ السّلام میں رحمت و شفقت کا مضمون نہ تھا میں نے کہا لو بھائی اس کتاب کا حال تو اسی موقع سے معلوم ہو گیا۔ اسمیں حضورؐ کی فضیلت ثابت کی گئی ہے آپکے بھائیوں کو عاری عن الفضائل بتلا کر۔ اسی سے قیاس کر لو کہ جب مصنف کے دل میں انبیاء علیہم السّلام کی یہ وقعت ہے تو اور کیا کچھ گل کھلائے ہونگے ع قیاس کن ز گلستانِ من بہارِ مرا ٭

میرے نزدیک وہ سیرت ہرگز قابل دیکھنے کے نہیں جسمیں انبیاء علیہم السّلام کی تنقیص کی گئی ہو۔

صاحبو! یہ کتنا بڑا غضب ہے کہ عیسیٰ علیہ السّلام پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اُن میں سلیقۂ ملکداری نہ تھا۔ حالانکہ احادیث صحاح میں وارد ہے کہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السّلام آخر زمانہ میں نزول فرمائینگے اور اُسوقت وہ بادشاہت بھی کرینگے اور انتظام سلطنت بہت خوبی کے ساتھ انجام دینگے تو جس شخص کے انتظام سلطنت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدح فرمائیں اب کسی کا کیا مُنہ ہے جو اُنپر یہ الزام لگائے کہ اُن میں سلیقۂ ملکداری نہ تھا۔ عیسیٰ علیہ السّلام نے اپنے زمانہ میں چونکہ ساری عمر زہد و پارسائی کے ساتھ بسر کی اسلئے اس سے یہ قیاس کر لیا گیا کہ اُنکو انتظام سلطنت آتا ہی نہ تھا سو خود یہ قیاس کتنا غلط قیاس ہے۔ بھلا بادشاہت نہ کرنے سے یہ کیونکر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اُن میں قابلیت ہی نہ تھی۔ قابلیت نہونا تو یوں معلوم ہو سکتا ہے کہ بادشاہت کرتے اور اچھے طریقہ سے نکرتے۔ اس باب میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت موجود ہے کہ عیسیٰ علیہ السّلام آخر زمانہ میں نازل ہونگے اور مسلمانوں پر بادشاہت کرینگے اور نہایت عدل و خوبی کے ساتھ بادشاہت کرینگے اور اُن میں ایسی قابلیت ہوگی کہ ایک بہت بڑے قانون کا انتظام خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اُن کے سپرد فرماتے ہیں وہ یہ کہ جزیہ کو موقوف کردینگے۔ جس پر بظاہر یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السّلام تو شریعت محمدیہ کے تبع ہو کر تشریف لائینگے پھر وہ شریعت کے کسی حکم کو کیونکر منسوخ کرینگے مگر میری تقریر سے جواب نکل آیا وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ عیسیٰ علیہ السّلام جزیہ کو موقوف کردینگے اگرچہ صورتاً خبر ہے مگر معنًا انشاء ہے گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُنکو امر فرما گئے ہیں کہ اپنے زمانہ میں آپ جزیہ کو موقوف فرما دیں پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُنکو اتنا بڑا مرتبہ تسلیم فرماتے ہیں کہ اُن کے سپرد اتنا بڑا قانون فرماتے ہیں کسی دوسرے کو یہ اجازت نہیں دیتے بات یہ ہے کہ اُن میں ملکہ سلطنت کامل ہے۔ مگر جب تک حق تعالیٰ نے اُس سے کام لینے کو نہیں فرمایا اُس سے کام نہیں لیا اور جب اُس سے کام لینے کا حکم ہوگا کام لیں گے۔

حضرت سیدنا نوح علیہ السّلام پر یہ الزام لگایا کہ اُن میں ترحم کم تھا افسوس کہ یہ لوگ قرآن کو بھی تو نہیں دیکھتے قرآن میں حضرت نوح علیہ السّلام کے بارہ میں یہ ارشاد خداوندی موجود ہے وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ○ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ○ ترجمہ ان آیات کریمہ کا یہ ہے کہ نوح علیہ السّلام کی طرف یہ وحی بھیجی گئی کہ بس اب آپکی قوم میں سے بجز اُن لوگوں کے جو کہ ایمان لاچکے ہیں اور کوئی بھی ایمان نہ لائیگا تو آپ اُن کے افعال سے رنجیدہ نہ ہوجئے۔ معلوم ہوا کہ نوح علیہ السلام کو اپنی قوم کے افعال سے رنج ہوتا تھا اور رنج ہونا شفقت کی دلیل ہے شفقت نہ ہوتی تو اُن کے افعال کی کچھ بھی پرواہ نہ ہوتی یہی سمجھتے کہ جیسا کرینگے ویسا بھرینگے مگر نہیں اُنکو بوجہ شفقت کے رنج ہوتا تھا ہاں جب تو حق تعالیٰ نے منع فرمادیا کہ بس اب مت رنج کرو تو پھر رنج نہیں کیا اور اُنکی طرف سے دل کو خالی کرلیا اسکے بعد حکم ہوتا ہے کہ تم ایک کشتی ہمارے سامنے اور ہمارے حکم سے بناؤ اور ان ظالموں کی بابت اب کوئی بات ہم سے نہ کیجیو یہ بالیقین غرق ہونگے۔ بھلا جب حق تعالیٰ شانہٗ نے صاف صاف منع فرمادیا کہ اب اِن لوگوں کی بابت مجھ سے بات نہ کیجیو تو حضرت نوح علیہ السّلام اُنکے ساتھ شفقت کا برتاؤ کیسے ظاہر کرسکتے تھے۔ مگر انہوں نے پھر بھی جہاں ذراسی گنجایش پائی شفقت کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ حق تعالیٰ نے اُن سے وعدہ فرمایا تھا کہ ہم تمہارے اہل کو غرق نہ کرینگے۔ جب نوح علیہ السّلام کا بیٹا غرق ہونے لگا تو حق تعالیٰ سے اُسکی سفارش کی وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ○ یعنی نوح علیہ السّلام نے اپنے رب سے دعا کی کہ یا اللہ میرا بیٹا بھی تو میرے اہل میں سے ہے اور آپ کا وعدہ سچّا ہے یعنی آپ وعدہ فرما چکے ہیں کہ تمہارے اہل کو ہم غرق نہ کرینگے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نوح وہ تمہارے اہل میں سے نہیں تھا اُسکے اعمال بُرے تھے اور تمہارے اہل سے

مراد وہ لوگ تھے جو کہ آپ کے خاندان کے ہوں اور متبع بھی ہوں تو دیکھئے شفقت نہ ہوتی تو بیٹے کے واسطے عرض نہ کرتے۔ شائد آپ یہ کہیں کہ اپنے بیٹے کے لئے دعا کرنا اور سفارش کرنا یہ تو دلیل شفقت نہیں ہو سکتی کیونکہ اپنے بیٹے سے تو باپ کو شفقت ہوا ہی کرتی ہے جواب یہ ہے کہ اول تو نوح علیہ السّلام پیغمبر تھے اور انبیاء علیہم السّلام مثل اپنی اولاد کے دوسروں کو بھی سمجھتے ہیں۔ مگر چونکہ دوسروں کی سفارش کے لئے کوئی گنجائش نہ رہی تھی اس لئے نہ کر سکے۔ اور بیٹے کے بارہ میں چونکہ عرض معروض کی گنجائش تھی بوجہ وعدۂ سابق کے۔ اس لئے ذراسی گنجائش پر بھی نہ چوکے اور فوراً عرض کر ہی دیا اس سے ہم یہی سمجھیں گے کہ حضرت نوح علیہ السّلام کو دوسروں پر بھی شفقت تھی مگر بوجہ گنجایش باقی نہ رہنے کے اُن کے لئے عفو کی دعا نہ کر سکے۔

دوسرے یہ کہ یہ تو مسلم کہ باپ کو بیٹے کے ساتھ محبت و شفقت ہوا کرتی ہے مگر اسکے ساتھ ہی یہ بھی قاعدہ ہے کہ جب بیٹا انتہا درجہ کا سرکش و نافرمان ہو تو وہ شفقت جاتی رہتی ہے چنانچہ امتحان کے طور پر اُن والدین کا حال دیکھ لیا جاوے جنکی اولاد نافرمان ہے کہ وہ کسقدر اپنی اولاد سے بیزار رہتے ہیں خصوصاً مذہبی مخالفت یہ تو ایسی مخالفت ہے کہ اسکے بعد تو شفقت رہا ہی نہیں کرتی خصوصاً انبیاء علیہم السّلام کہ انکی محبت و بغض تو سب فی اللہ ہوتا ہے۔ خیر! ابراہیم علیہ السّلام کے والد ابراہیم علیہ السّلام کو مخالف فی الدین اور بتوں کی بُرائی کرتے ہوئے دیکھکر غصّہ میں آکر کہتے ہیں قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِىْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِىْ مَلِيًّا کہ اے ابراہیم کیا تم میرے بتوں سے بے رُخ ہوا گر تم اس بے رُخی سے باز نہ آؤگے تو میں تم کو پتھر مار مار کر قتل کردونگا۔ اور میرے پاس سے مدۃ العمر کے لئے دور ہو جاؤ۔ تو انبیاء کا تو مخالف فی الدین کے ساتھ کیا حال ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ نوح علیہ السّلام کا وہ بیٹا اُن کا نہایت نافرمان اور سرکش بیٹا تھا۔ سب سے بڑھکر یہ کہ دین میں مخالف تھا۔ اسکے بعد بھی نوح علیہ السّلام کی یہ شفقت کہ جب طوفان آیا تو اُس نافرمان سے آپ فرماتے ہیں کہ اے بیٹے ہمارے ساتھ تو بھی کشتی میں سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ مت رہ نہیں تو غرق ہو جائیگا۔ اُس نے اس بات کو بھی منظور نہ کیا۔ یہانتک کہ اُسکو بھی موج طوفان نے غرق کر دیا۔ اس قدر سرکشی کے بعد بھی جب وہ غرق ہو گیا تو نوح علیہ السّلام پھر بھی حق تعالیٰ شانہٗ سے اُسکی بابت عرض معروض کرتے ہیں یہ نہیں خیال کرتے کہ کمبخت اپنے ہاتھوں تباہ ہوا میں کیا کروں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نوح علیہ السّلام میں شفقت بہت ہی زیادہ تھی ورنہ اس قدر سرکشی کے بعد کیسا ہی باپ ہو اُسکو بھی شفقت نہیں رہا کرتی اس سے ثابت ہوا کہ اُنکی صفت شفقت و رحمت میں ذرا کمی نہ تھی پس پھر جو قوم کے لئے بددعا کی معلوم ہوا کہ بامر حق تھی۔ تیسری بات یہ ہے کہ نوح علیہ السّلام نے جو بددعا اپنی قوم کے حق میں کی تھی اگر وہ دعا بے رحمی کی تھی تو حق تعالیٰ شانہٗ اُسکو ہرگز قبول نہ فرماتے

مگر جب حق تعالیٰ نے اُنکی دعا کو قبول فرمالیا تو معلوم ہوا کہ وہ بد دعا بیرحمی کی نہ تھی اگر اُس بد دعا کی وجہ سے نوح علیہ السلام بے رحم ہوتے تو پھر حق تعالیٰ کو بھی بے رحم کہو کہ اُنہوں نے ایسی بے رحمی کی بد دعا کو قبول فرمالیا۔ اور ایک نوح علیہ السّلام ہی کی دعا کو نہیں۔ حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السّلام کی بد دعا کو بھی اسی طرح قبول فرمایا تھا رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ۝ تو اے جنٹلمینو! یہ الزام تم نوح علیہ السّلام کو کیا دیتے ہو کہ وہ بے رحم تھے صاف یوں ہی کہدو نا کہ خدا تعالیٰ بھی معاذ اللہ بے رحم ہیں۔ کیا خدا تعالیٰ کے دربار میں ممکن ہے کہ جا بیجا درخواستیں منظور ہو جایا کریں جس کا نہ کوئی ضابطہ ہے نہ کوئی قانون اگر یہ ہے تو حق تعالیٰ کا دربار کیا ہوا شاہان اودھ کی کچہری ہوئی کہ جو کسی نے کہہ دیا بس ہو گیا چاہے حق ہو چاہے ناحق تو کیا معاذ اللہ خدا کے دربار میں اندھیر کھاتہ ہے کہ کچھ قاعدہ ہی مقرر نہیں کس دعا کو قبول کرنا چاہیے کس دعا کو قبول نہ کرنا چاہیے بس جسکی دعا چاہی منظور کر لی خواہ وہ کیسی ہی بے رحمی کی دعا ہو اور جسکی چاہی رد کر دی خواہ وہ اچھی ہی ہو کیا نعوذ باللہ خدا کا دربار اُس آنریری مجسٹریٹ کے دربار جیسا ہوگا جسکو بوجہ ریاست کے آنریری مجسٹریٹ بنا دیا گیا تھا مگر لیاقت خاک نہ تھی جب آپ کے پاس مقدمات آنے شروع ہوئے تو بڑی فکر ہوئی کہ کیا کروں مقدمات کس طرح فیصل کروں تو آپ ایک دوسرے آنریری مجسٹریٹ کی عدالت میں گئے کہ دیکھوں وہ کس طرح مقدمات فیصل کرتا ہے تو اُس وقت اُن کے ہاتھ میں ایک مقدمہ کی مسل آئی اُسکے بارہ میں اُنہوں نے پڑھ کر کہا کہ منظور پھر ایک دوسری مسل آئی اُسکو دیکھکر اُنہوں نے کہا کہ نامنظور۔ یہ اناڑی مجسٹریٹ بہت خوش ہوئے کہ بس ہمکو فیصلہ کرنا آگیا۔ اب آپ عدالت کرنے بیٹھے مقدمات کی مسلیں پیش ہوئیں پس جو اوّل ہاتھ میں آگئی اُسے کہدیا منجور جو اُسکے بعد ہاتھ میں آگئی وہ نامنجور (نامنظور) بس اب کیا تھا دو منٹ میں مقدمات طے ہونے لگے منجور نامنجور دو لفظوں میں قصہ پاک ہوا نہ مسل کا پڑھنا نہ سُننا نہ یہ خبر کہ قابل منظوری کے ہے یا نہیں۔ بس طاق سلسلہ میں آجانا چاہیے وہ منظور ہو گئی کوئی جو جفت عدد کے سلسلہ میں پڑ گئی وہ نامنظور ہو گئی۔ تو کیا معاذ اللہ خدا کے دربار کو بھی ایسا ہی سمجھ رکھا ہے کہ وہاں بھی اس کا خیال نہیں کیا جاتا کہ درخواست قابل منظوری کے ہے یا نہیں فقط منظور و نامنظور سے فیصلہ کیا جاتا ہے استغفر اللہ العظیم خدا کی کیا عظمت ہے اور اگر یہ احتمال نہیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ سیدنا نوح علیہ السّلام کی بد دعا بے رحمی کی وجہ سے ہرگز نہ تھی ورنہ حق تعالیٰ شانہ اُسکو ہرگز قبول نہ فرماتے کیا حق تعالیٰ کے ذمہ رسول کی ہر بات ماننا ضروری ہے بہت دفعہ ایسا ہوا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے انبیاء علیہم السّلام کی دعا کو قبول نہیں فرمایا تو اگر نوح علیہ السّلام کی بد دعا قابل قبول نہ ہوتی تو حق تعالیٰ اُسکو بھی رد فرما دیتے معلوم ہوا کہ نوح علیہ السّلام کی قوم اسی قابل تھی کہ اُن کو بالکل تباہ کر دیا جائے وہ ہرگز قابل رحم نہ تھی یہاں تک کہ تنگ آکر نوح علیہ السّلام نے اُن پر بد دعا کی ساڑھے

نوسو برس تک تو اُنکو سمجھایا نصیحت کی مگر وہ ہمیشہ اُن پر سختیاں ہی کرتے رہے یہاں تک کہ اکثر وعظ و نصیحت کے وقت اُنکو اس قدر تکلیف پہونچاتے تھے کہ وہ بیہوش ہوجاتے تھے جب نوسو برس تک اُنکی یہی حالت رہی تب اُن کے حق میں بد دعا کی اسقدر ایذا شاید ہی کسی نبی کو اپنی قوم سے پہونچی ہو پھر حق تعالیٰ شانہٗ کا یہ ارشاد نازل ہوا کہ اب یہ لوگ ایمان نہ لائینگے انکے بارے میں ہم سے بات نہ کیجئے نہ انکے افعال سے رنج کیجئے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ رحم کے قابل ہی نہ تھے مگر ایک نئے مجتہد صاحب حضورؐ کی سیرت میں لکھتے ہیں کہ نوح علیہ السلام میں ترحم زیادہ نہ تھا یہ حضورؐ کے خصائل بیان ہو رہے ہیں کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی اہانت کی جارہی ہے اور پھر آپکی بھی اگر تعظیم کی تو بحیثیت بادشاہ ہونے کے ۔

غرض اس اس طرح لوگ حضورؐ کے حقوق میں کوتاہی کر رہے ہیں کہ کوئی صرف اطاعت کو ضروری سمجھتا ہے محبت و عظمت سے اُنکو تعلق نہیں کوئی محبت کا دم بھرتا ہے اطاعت و عظمت سے اُسکو واسطہ نہیں کوئی آپکی عظمت کرتا ہے تو اس طرح کہ محض بادشاہت کی حیثیت سے اور یا اس طرح کہ جس سے دیگر انبیاء کی توہین ہوجاتی ہو بلکہ بعض مرتبہ حق تعالیٰ شانہٗ کی بے ادبی ہوجاتی ہے اس لئے اسکی تلافی کی ضرورت ہے اور تلافی ہوتی ہے کوتاہیوں کا سبب دریافت ہونے سے اور سبب اِن سب کوتاہیوں کا یہ ہے کہ لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محض ضابطہ کا تعلق ہے۔ کوئی خصوصیت کا تعلق نہیں حالانکہ نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کے ساتھ خاص تعلق بھی ہونا چاہئے۔ اور خاص تعلق پیدا ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ حضورؐ کے فضائل و کمالات بیان کئے جائیں۔ دوسرے یہ کہ حضورؐ کے وہ انعامات و احسانات بیان کئے جائیں جو ہمارے حال پر آپنے فرمائے ہیں تو یہ دو امر ضروری ہوئے پھر ان میں بھی باہم ایک تفاوت ہے وہ یہ کہ فضائل و کمالات سُنکر خاص تعلق بہت کم لوگوں کو پیدا ہوتا ہے اکثر یہی دیکھا جاتا ہے کہ الانسان عبید الاحسان۔ انسان احسان کا غلام ہے جب کسی کے احسانات اپنے اوپر بہت دیکھتے ہیں اکثر خاص تعلق اُس سے پیدا ہوجاتا ہے البتہ جو خاص اہل معرفت ہیں اُن کا تو مذاق یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ حضورؐ سے اُنکو کوئی بھی نفع نہ پہونچے جب بھی وہ جان و مال سے آپ پر فدا ہیں جیسا عارف شیرازی محب للنفس کا مذاق بتا کر محبت کے باب میں فرماتے ہیں ؎

ہر چند آز مودم از وے نبود سودم   من جرب المجرب حلت بہ الندامہ

تو محب للہ کا تو کیا پوچھنا اُنکی تو یہ حالت ہے کہ اگر اُنکو وحی قطعی سے بھی معلوم ہوجاوے کہ ہماری قسمت میں ابدالآباد کے لئے جہنم میں رہنا مقدر ہے تب بھی اُنکی محبت میں ذرا کمی نہ ہوگی نفع نہ ہونے کی صورت میں جمیع عاشقین یہی کرتے ہیں کہ محبوب کی رضا کو اپنی رضا پر مقدم کرتے ہیں اور اپنی محرومی پر بھی دل خوش رہتے ہیں

میل من سوئے وصال و میل او سوئے فراق ترک کام خود گرفتم تا بر آید کام دوست

مگر یہ خاص ہی عاشقین کا مذاق ہے سب کا یہ مذاق نہیں ہوتا۔ اسی لئے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ عاشق احسانی ہیں عاشق ذاتی یا صفاتی نہیں (کیونکہ عاشق کی تین قسمیں ہیں ایک عاشق ذاتی ایک عاشق صفاتی۔ ایک عاشق احسانی۔ عاشق ذاتی تو محض محبوب کی ذات ہی کو محبت کے قابل سمجھتا ہے چاہے اُسمیں کوئی بھی کمال نہو۔ اور عاشق صفاتی محبوب سے بوجہ اُسکے کمالات کے محبت کرتا ہے۔ اور عاشق احسانی وہ ہے جو بوجہ محبوب کے احسانات کے اُس سے محبت کرتا ہے) تو فرمایا کہ بھائی ہم لوگ عاشق احسانی ہیں جب تک راحت سے گذرتی رہے تو محبت قائم رہتی ہے اور اگر ذرا اُدھر سے عطا میں کمی ہو جائے تو ہماری محبت کمزور ہو جاتی ہے اسی لئے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ترک لذات کا امر نہ فرماتے تھے بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ خوب کھاؤ پیو اور کام بھی خوب کرو اس کا راز یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں لوگوں میں قوت تھی اس لئے راحت و تکلیف دونوں حالت میں اُنکو حق تعالیٰ سے تعلق یکساں رہتا تھا اور اب ضعف ہے اگر فرید اور نعمتیں ملتی رہیں تب تو حق تعالیٰ سے محبت بڑھتی رہتی ہے اور نہیں تو مشقت و تکلیف میں وہ حالت نہیں رہتی اور فرمایا کہ یہی راز ہے کہ شریعت نے حج کے واسطے زاد و راحلہ کی شرط لگائی کیونکہ ہم لوگ عاشق احسانی ہیں جب راحت کے ساتھ حج کرینگے تو خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت زیادہ ہوگی اور اگر زاد و راحلہ نہوا اور سفر میں کلفت در پیش ہوئی تو بجائے محبت کے اور دل میں رکاوٹ پیدا ہوگی مگر یہ زاد و راحلہ کی قید اُن ہی ضعفاء کے لئے ہے جو کہ عاشق احسانی ہیں ورنہ اقویاء کی بابت تو خود نص میں ذکر ہے وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۝ حق تعالیٰ شانہٗ نے ابراہیم علیہ السّلام کو حکم فرمایا تھا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کر دو لوگ آپ کے پاس پیدل اور دُبلی اونٹنیوں پر سوار ہو کر آوینگے معلوم ہوا کہ بعض لوگ پیدل بھی آوینگے جنکے پاس زاد و راحلہ نہو گا اور اُن کو پیدل جانے میں گناہ بھی نہو گا۔ کیونکہ حق تعالیٰ اس مقام پر اُن آنے والوں کی مدح فرما رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ پیدل آنے والے بھی حق تعالیٰ کے یہاں ممدوح ہونگے تو یہ لوگ ضعفاء نہیں ہیں یہ لوگ اقویاء ہیں جنکے واسطے زاد و راحلہ کی کوئی قید نہیں اُنکو اس سفر کی کسی کلفت سے پریشانی نہیں ہوتی ایک ایسے ہی عاشق کا قصہ یاد آگیا کہ وہ حج کے لئے چلے مگر بالکل آزاد حتٰی کہ وضع داری رسمی سے بھی آزاد کبھی گاتے کبھی دف بجاتے لوگ اُنکو مسخرہ سمجھتے تھے کسی کو بھی نہ معلوم تھا کہ یہ کوئی عاشق ہے جب مکہ پہونچے اور بیت اللہ کا طواف کرنے چلے تو دروازہ کے باہر ہی سے خانہ کعبہ نظر آیا مطوف نے کہا کہ یہ کعبہ ہے بس بیقرار ہو گئے اور بیساختہ زبان پر جاری ہو گیا ؎

چو رسی بکوئے دلبر بسپار جانِ مضطر کہ مبادا بارِ دیگر نرسی بدیں تمنا

اور فوراً بیہوش ہو کر گرے اور جاں بحق ہو گئے تو بھلا جو ایسے عاشق ہوں کہ وصال کی تاب بھی نہ لا سکیں سفر کی مشقت سے اُنکی محبت میں کمی ہو سکتی ہے اُنکی تو اگر بوٹی بوٹی بھی کر دیجاوے تب بھی محبت میں زیادتی ہی ہوتی رہے مگر ہم لوگ زیادہ تر چونکہ عاشق احسانی ہیں اس لئے شریعت نے زاد و راحلہ کی شرط پر حج کو واجب کیا ہے گو بعض وقت ہم لوگوں کو بھی شبہ ہو جاتا ہے کہ ہم بھی عاشق ذاتی ہیں مگر بات یہ ہے کہ اُس وقت احسانات خداوندی ذہن میں حاضر نہیں ہوتے اور محبت دل میں پاتے ہیں اس لئے یوں سمجھ جاتے ہیں کہ ہم عاشق ذات ہیں ورنہ واقع میں وہ محبت بسبب اُن احسانات ہی سے ہوتی ہے البتہ عشق ذات جب ہوتا کہ اگر بیچ بیچ بھی تمام احسانات و انعامات بند ہو جاتے حتیٰ کہ نہ باطن میں کچھ نور محسوس ہو نہ ظاہر میں کوئی راحت ہو تب بھی محبوب کی رضا کو اپنی رضا پر مقدم کر کے اُس حال میں بھی محبت میں کمی نہ آنے دے اور زبان حال و قال سے یوں کہتا رہے ؎

روز ہا گر رفت گو رو باک نیست تو بماں اے آنکہ چو تو پاک نیست

الغرض ہم لوگ چونکہ عاشق احسانی ہیں اس لئے ہم کو حضورؐ کے ساتھ خاص تعلق آپ کے وہ احسانات سُنکر پیدا ہونے کی زیادہ توقع ہے جو کہ حضورؐ نے ہمارے اوپر فرمائے ہیں پس اس لئے ایک وجہ تو یہ ہے اس وقت حضورؐ کے احسانات بیان کرنے کی جسکا ذکر اس آیت کے اخیر میں ہے بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ اور اس وقت اسی جزو کا بیان کرنا زیادہ مقصود ہے۔ دوسری وجہ اسکے اختیار کرنے کی ایک یہ بھی ہوئی کہ فضائل تو اکثر لوگ بیان کر دیتے ہیں حضورؐ کے احسانات کا ذکر لوگ بہت کم کرتے ہیں تو یہ مضمون نیا مضمون ہوگا نیز اس بیان کا جو اصل محرک ہے وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس بندہ پر ایک خاص عنایت اور انعام ہی ہے جسکا ذکر اجمالاً[ع] اوپر بھی آیا ہے اس لئے بھی جی چاہا کہ حضورؐ کے احسانات بیان کروں اسی واسطے اس وعظ کا نام (شکر النعمہ بذکر رحمۃ الرحمہ) رکھتا ہوں جسکے یہ معنی ہیں کہ شکر ایک نعمت کا رحمت مجسم کی صفت رحمت کے ذکر کے ذریعہ سے پس لفظ رحمت اول سے مراد معنی لغوی اور دوسری سے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ آپ کا ایک نام مقدس رحمت بھی ہے۔

چنانچہ حضورؐ نے اپنی نسبت خود ارشاد فرمایا ہے اَنَا رَحْمَۃٌ مُّھْدَاۃٌ کہ میں ایک رحمت ہوں خدا تعالےٰ کی طرف سے بنا کر بھیجا گیا ہوں اس حدیث میں حضورؐ نے خود اپنے آپکو رحمت فرمایا۔ دوسرے قرآن شریف میں حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ کہ ہم نے آپکو تمام جہان والوں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے غرض حدیث و قرآن دونوں سے حضورؐ کا رحمت ہونا معلوم ہوتا ہے۔

ع اور بندہ جامع وعظ نے اُسی جگہ حاشیہ میں اُس مجمل کو مفصل بھی کر دیا ہے ۱۲ منہ

اس مقام پر ایک شبہ بھی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام عالم کے لئے رحمت ہونا معلوم ہوتا ہے اور بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں پر رحمت فرماتے ہیں جواب یہ ہے کہ بالمؤمنین رؤف رحیم میں رحمت خاص مراد ہے کہ وہ مسلمانوں کے سوا کسی پر نہیں اور وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین میں رحمت عامہ مراد ہے رحمت عامہ کفار کو بھی شامل ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام رحمت ایک تو یہ ہے کہ تمام عالم کا وجود آپ کی برکت سے ہوا کہ آپ کے نور کی شعاعوں کی برکت سے تمام عالم کا مادہ بنا دوسری رحمت عامہ یہ ہے کہ یوم میثاق میں تمام جہان کو توحید کی تعلیم فرمائی۔ اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ جب وقت حق تعالیٰ نے تمام مخلوق کو پشت آدم علیہ السلام سے ظاہر فرما کر ان سے یہ ارشاد فرمایا کہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ تو سب کے سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کی طرف تکنے لگے کہ آپ کیا جواب دیتے ہیں تو سب سے پہلے حضور نے بلیٰ فرمایا حضور کے بعد سب نے بلیٰ کہا۔ تیسرے یہ کہ حضرت نوح علیہ السّلام کی کشتی نے آپ ہی کی برکت سے نجات پائی یہ بھی تمام عالمین پر رحمت ہے کیونکہ نوح علیہ السّلام آدم ثانی ہیں کہ اُن کے بعد سلسلہ بنی آدم انہیں کی اولاد سے جاری ہوا اس وقت جس قدر انسان ہیں وہ سب اُن کے تین بیٹوں ہی کی نسل سے ہیں چنانچہ قرآن شریف میں ارشاد ہے وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ کہ ہم نے نوح علیہ السّلام ہی کی اولاد کو دنیا میں باقی رکھا (باقی سب کو ہلاک کر دیا)

تو اُس وقت تمام عالم گویا اپنے آباء کی پُشت میں تھا اور اُس کشتی کو نجات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ہوئی تو یہ احسان حضور کا تمام عالم پر ہے کہ آپ ہی کی برکت سے سب فنا سے محفوظ رہے حیوانات موجودہ بھی اُن ہی حیوانات کی نسل سے ہیں جو کشتی میں تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو نار سے نجات حضور ہی کی برکت سے ہوئی یہ بھی تمام عالم پر رحمت تھی کیونکہ انبیاء علیہم السّلام بکثرت حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی اولاد میں ہوئے اور اس وقت اُن کی اولاد بھی بہت کثرت سے موجود ہے تو وہ ایک بڑے حصّہ عالم کے یا پدر نسبی ہیں یا پدر روحانی تو اس طرح یہ فیض بھی ایک عالم کو پہونچا ان دونوں واقعات کو مع دیگر برکات کے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند اشعار میں حضور کے سامنے بیان کیا تھا وہ اشعار اس وقت مجھے یاد نہیں ہیں نشر الطیب میں لکھے ہیں (جامع وعظ احقر ظفر عرض کرتا ہے اس موقع پر جی چاہتا ہے کہ اُن اشعار کو مع ترجمہ حضرت حکیم الامۃ نقل کر دوں تاکہ ناظرین کے لئے زیادہ موجب لذت ہو) جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے مدینہ طیبہ میں واپس تشریف لائے تو حضرت عباس بن عبدالمطلب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ کچھ آپ کی مدح کروں (چونکہ حضور کی مدح خود طاعت ہے اس لئے) آپ نے ارشاد فرمایا کہ کہو اللہ تعالیٰ تمہارے مُنہ کو سالم رکھے اُنہوں نے

یہ اشعار آپ کے سامنے پڑھے ؎

من قبلها طبت فی الظلال وفی — مستودع حیث یخصف الورق
ثم هبطت البلاد لا بشر — انت ولا مضغة ولا علق
بل نطفة ترکب السفین وقد — الجم نسرا واهلها الغرق
تنقل من صالب الی رحم — اذا مضی عالم بدا طبق
وردت نار الخلیل مکتتما — فی صلبه انت کیف یحترق
حتی احتوی بیتک المهیمن من — خندف علیاء تحتها النطق
وانت لما ولدت اشرقت الارض — وضاءت بنورک الافق
فنحن فی ذلک الضیاء وفی النور — وسبل الرشاد نخترق

ترجمہ۔ زمین پر آنے سے پہلے آپ جنت کے سایہ میں خوشحالی (اور راحت) میں تھے اور نیز (اُس) ودیعت گاہ میں تھے جہاں (جنت کے درختوں کے) پتّے اوپر تلے جوڑے جاتے تھے (یعنی آپ صلب آدم علیہ السّلام میں تھے سو زمین میں آنے سے پہلے جب آدم علیہ السّلام جنت کے سایوں میں تھے آپ بھی تھے اور پتّوں کا جوڑنا اشارہ ہے اُس قصہ کی طرف کہ جب آدم علیہ السّلام نے اُس منع کئے ہوئے درخت سے کھالیا اور جنت کا لباس اُتر گیا تو درختوں کے پتّے ملا ملا کر بدن ڈھانکتے تھے یعنی اُس وقت بھی آپ اُنکی پشت میں تھے (اور آپ ہی کی برکت سے آدم علیہ السّلام کی یہ خطا معاف ہوگئی اور حق تعالیٰ نے اُنکی توبہ قبول فرمائی) اسکے بعد آپ نے بلادِ (زمین) کی طرف نزول فرمایا اُس وقت آپ نہ بشر تھے نہ مضغہ نہ علقہ (کیونکہ یہ حالتیں پیدائش کے بہت قریب ہوا کرتی ہیں اور اُس وقت آپکی پیدائش قریب کہاں تھی اور یہ زمین کی طرف نزول فرمانا بواسطہ آدم علیہ السلام کے ہوا کہ جب وہ زمین پر آئے تو حضُور نے بھی اُنکے ساتھ ساتھ زمین پر نزول فرمایا مگر اُس وقت آپ نہ بشر تھے اور نہ مضغہ نہ علقہ) بلکہ (پشت آباء میں محض ایک مادۂ مائیہ بصورت نطفہ تھے اسپر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس طرح بصورت نطفہ تو تمام انبیا بلکہ تمام عالم آدم علیہ السلام کی پُشت میں تھا حضُور کی اسمیں کونسی فضیلت ثابت ہوئی جواب یہ ہے کہ حضُور کا وجود دوسروں کے وجود سے ممتاز تھا کہ دوسرے تو محض بصورت نطفہ تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جسکی پُشت میں بصورت نطفہ تشریف فرما ہوتے تھے اُسکے ساتھ حضُور کی روح مبارک کو بھی کچھ تعلق ہوتا تھا کہ اُس تعلق روحی کی برکتیں آپکے اُن اجداد میں ظاہر ہوتی تھیں چنانچہ حضرت عباسؓ نے اگلے شعر میں ابراہیم علیہ السّلام کے سوزش نار سے بچ جانے کی نسبت یہ بات فرمائی ہے کہ چونکہ حضُور اُنکی پُشت میں تھے وہ کیونکر جل سکتے تھے تو یہ برکتیں اُس تعلق روح ہی کی وجہ سے تو ظاہر

ہوئیں) کبھی وہ مادہ کشتی نوح میں سوار تھا اور حالت یہ تھی کہ نسر بت اور اسکے ماننے والوں کے لبوں تک طوفان غرق ہو چکا تھا مطلب یہ کہ بواسطہ نوح علیہ السلام کے وہ مادہ راکب کشتی تھا مولانا جامیؒ نے اسی مضمون کی طرف اشارہ فرمایا ہے ؎

ز جودش گر نگشتے راہ مفتوح بجودی کے رسیدے کشتی نوح

یعنی اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا سے راہ کشادہ نہ ہوتا تو سلامتی کے ساتھ کوہ جودی پر نوح علیہ السلام کی کشتی کس طرح پہونچتی۔ حضورؐ ہی کی برکت سے وہ کشتی پار ہوگئی اور وہ مادہ (اسی طرح واسطہ در واسطہ ایک صلب سے دوسرے رحم تک منتقل ہوتا رہا جب ایک طرح کا عالم گذر جاتا تھا دوسرا طبقہ شروع ہو جاتا تھا یہانتک اسی سلسلہ میں آپ نے نار خلیل علیہ السلام میں ورود فرمایا چونکہ آپ انکی پشت میں مختفی تھے تو وہ کیسے جل سکتے تھے (پھر آگے اسی طرح آپ منتقل ہوتے رہے) یہانتک کہ آپ کا خاندانی شرف جو کہ (آپکی فضیلت پر) شاہد ظاہر ہے اولاد خندف میں سے ایک بلند چوٹی پر جاگزیں ہوا جسکے تحت میں اور حلقے (یعنی دوسرے خاندان مثل درمیانی حلقوں کے) تھے (خندف لقب ہے آپکے جدِّ بعید مدرکہ بن الیاس کی والدہ کا) اور آپ جب پیدا ہوئے تو زمین روشن ہوگئی اور آپکے نور سے آفاق منور ہوگئے سو ہم اُس ضیاء اور نور میں ہدایت کے راستوں کو قطع کر رہے ہیں (چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اشعار پر سکوت فرمایا اس لئے حدیث تقریری سے ان مضامین کا صحیح اور رحمت ہونا ثابت ہوگیا) انتہی بترجمۃ مع بعض حذف وزیادۃ رعا للاختصار والایضاح ۱۲

ایک رحمت عامہ حضورؐ کی یہ ہے کہ اس امت کے اوپر سے وہ سخت سخت عذاب ٹل گئے جو پہلی امتوں پر آئے تھے کہ بعض قومیں سور بندر بنا دی گئیں کسی کا تختہ اُلٹ گیا کسی پر آسمان سے پتھر برسے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تو برکت ہے کہ اس امت کے کفار پر ایسے عذاب نہیں آتے۔ اور اس رحمت کو عام اس لئے کہا گیا کہ کفار کو بھی شامل ہے جو کہ امت اجابت میں داخل ہیں ایک رحمت عامہ یہ ہے کہ آپکی امت میں سے جو کوئی ایک نیک کام کرے اُس کا ثواب کم از کم دس گُنا ضرور ملیگا اور اگر زیادہ خلوص ہو تو سات سو تک بلکہ اس سے بھی زیادہ ثواب ملتا ہے اس کا عام ہونا اس اعتبار سے ہے کہ حدیث اسلمت علی ما اسلفت من خیر سے ثابت ہے کہ کافر جب مسلمان ہو جاتا ہے تو اُسکی گذشتہ نیکیاں بھی اُسکو ملتی ہیں تو ان نیکیوں میں یہ مضاعف ہوگا تو اس طرح یہ رحمت بھی کفار کو شامل ہوئی ایک عام رحمت یہ ہے کہ حق تعالےٰ نے اس امت کے اوپر وہ سخت سخت احکام نازل نہیں فرمائے جو پہلی امتوں پر تھے مثلاً بعض معاصی سے توبہ کا طریقہ یہ تھا کہ مجرم اپنی جان دیدے اسکے بدون توبہ قبول نہیں ہوتی تھی ناپاکی کپڑے میں لگ جائے

تو کپڑا کاٹ دینے کا حکم تھا - اس شریعت میں احکام نہ بہت سخت ہیں کہ عمل دشوار ہو نہ ایسے آسان کہ کچھ کرنا ہی نہ پڑے

اب یہاں یہ ایک سوال ہو سکتا ہے کہ دنیا میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب کے حق میں رحمت عامہ ہونا ثابت ہو گیا مگر آخرت میں کفار کے لئے آپکی رحمت کیا ہو گی کیونکہ کفار تو ابدالآباد کے لئے جہنم میں رہیں گے اُن کے حق میں آپکی رحمت کا ظہور کس طرح ہو گا اسی طرح جن مومنین کی بعد سزا کے مغفرت ہو گی اُن کے حق میں آپکی رحمت کیا ظاہر ہو گی

اِسکے جواب کے لئے ایک مقدمہ کی ضرورت ہے اُسکے سمجھنے کے بعد معلوم ہو جائیگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا ظہور کفار کے حق میں آخرت میں بھی ہو گا وہ مقدمہ یہ ہے کہ بھلا اگر کوئی شخص بڑا سخت جرم کرے جسکی سزا میں وہ بیس سال کی سزائے قید کا مستحق ہو تو اگر حاکم اُسمیں سے دس سال کم کر دے تو یہ رحمت ہو گی یا نہیں اسی طرح اگر کوئی شخص بہت سخت سزا کا مستحق ہو اور اُسمیں سے کچھ تخفیف کر دیجائے تو یہ بھی رحمت ہو گی یا نہیں ظاہر ہے کہ دونوں صورتیں رحمت میں داخل ہیں اب سمجھئے کہ قیامت کے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن گنہگار مسلمانوں کے لئے جو کہ جہنم میں جائینگے سفارش فرمائینگے اگر یہ شفاعت نہ ہوتی تو اُن کی میعاد اور زیادہ ہوتی تو میعاد کی کمی یہ رحمت ہوئی کوئی ہزار برس کے عذاب کا مستحق تھا اور حضور کی سفارش سے اُسمیں کمی کر دیجائے مثلاً پانچسو برس کے بعد وہ جہنم سے نکال دیا جائے تو رحمت ہونا اُس کا ظاہر ہے اور کفار کے حق میں یہ تو نہیں ہو سکتا کہ میعاد میں کمی کر دی جائے عذاب تو اُن کو ابدالآباد تک ہو گا مگر بقول شیخ عبدالحق محدث رحؒ جو عنقریب آتا ہے عذاب میں تخفیف کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے حق میں بھی شفاعت فرمائینگے چنانچہ بعض کفار کے لئے حضور کی برکت سے تخفیف عذاب کا ذکر تو صحاح میں بھی آتا ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ابو طالب کو کچھ آپکی خدمت سے نفع بھی ہو گا حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں نہ ہوتا تو ابو طالب سر سے پاؤں تک آگ میں غرق ہوتے مگر میری وجہ سے یہ ہوا کہ اُنکو صرف دو جوتیاں آگ کی پہنائی جائینگی جس سے اُن کا بھیجا مثل ہانڈی کے پکے گا اور اسپر بھی وہ یہ سمجھیں گے کہ مجھسے زیادہ عذاب کسی کو نہیں - ابولہب کے بارہ میں حدیث میں آتا ہے کہ چونکہ اُنہوں نے حضور کی ولادت شریفہ کی خوشی میں بشارت لانے والی باندی کو آزاد کر دیا تھا ہر پیر کے دن ذرا سا ٹھنڈا پانی پینے کو ملجاتا ہے باقی عام کفار کے حق میں تخفیف کی شفاعت مجھے کسی حدیث سے تو نہیں معلوم ہوئی مگر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک کتاب اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے کہ قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت دس طرح کی ہو گی اُن میں ایک شفاعت یہ بھی ہو گی کہ حضور عام کفار کے لئے شفاعت فرمائینگے کہ یہ لوگ جس سخت عذاب کے مستحق ہیں اُسمیں کچھ کمی کر دی جائے - چنانچہ آپکی برکت سے اُن کے عذاب میں کمی کر دیجائیگی گو کم ہونے کے بعد بھی وہ اسقدر سخت ہو گا کہ وہ اُسکو بھی بہت سمجھیں گے خدا محفوظ رکھے وہاں کا تو ذرا سا عذاب بھی ایسا ہو گا

کہ ہر شخص یہی سمجھے گا کہ مجھ سے زیادہ کسی کو عذاب نہیں۔ چنانچہ ابو طالب کو حالانکہ بہت ہی کم عذاب ہوگا مگر وہ یہی سمجھیں گے کہ مجھ سے زیادہ کسی کو بھی عذاب نہیں تو گو کفار کو اُس کمی کا احساس نہو مگر حضور کی طرف سے توجہ ہونے میں شک نہیں رہا۔ آپکی رحمت تو اُن کے ساتھ بھی پائی گئی اور چونکہ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ بڑے محدث ہیں اس لئے اُنہوں نے جو یہ دس قسمیں شفاعت کی لکھی ہیں کسی حدیث ہی سے معلوم کر کے لکھی ہونگی۔ گو ہمکو وہ حدیث نہیں ملی مگر چونکہ شیخ کی نظر حدیث میں بہت وسیع ہے اس لئے اُن کا یہ قول قابل تسلیم ہے اور ایک ضروری بات استطرادًا یاد آگئی کہ جیسا کفار کو عذاب کی کمی کا احساس نہوگا اسی طرح جنتیوں کو اپنے درجہ کی کمی کا احساس نہوگا حالانکہ وہاں مدارج بہت مختلف ہونگے کوئی اعلیٰ کوئی ادنیٰ مگر ہر شخص یہی سمجھے گا کہ میرے پاس جسقدر نعمتیں ہیں اتنی کسی کے پاس نہیں ہیں اور شیخ کے اس قول پر یہ اشکال نہ کیا جاوے کہ یہ نص کے خلاف ہے قرآن میں تو کفار کے بارہ میں ارشاد ہے لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝ کہ کفار سے عذاب کم نہ کیا جائیگا اور شیخ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کفار کے حق میں بھی تخفیف عذاب کی شفاعت فرمائینگے دونوں میں تعارض ہوگیا بات یہ ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جسقدر عذاب آخر میں اُن کے لئے طے ہو جائیگا پھر اُس سے کمی نہ کیجائیگی اور یہ اس لئے ارشاد فرمایا گیا تاکہ کوئی آخرت کے عذاب کو دنیا کے عذاب پر قیاس نہ کرے کہ جس طرح دنیا کی آگ کا قاعدہ ہے کہ پہلے پہل بہت تیزی کے ساتھ بھڑکتی ہے پھر کم ہوتے ہوتے ٹھنڈی ہو جاتی ہے ایسی ہی جہنم کی آگ بھی ہوگی کہ رفتہ رفتہ ہزار دو ہزار سال کے بعد اُسکی تیزی کم ہو جائیگی۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہاں کی آگ ایسی نہیں جیسی اول دن تیز ہوگی ہمیشہ ویسی ہی رہیگی اور یہ مطلب نہیں ہے کہ جس عذاب کے وہ قانونًا مستحق ہونگے اُسمیں کسی کی شفاعت سے بھی کمی نہوگی بلکہ مطلب یہ ہے کہ جسقدر عذاب اُن کے لئے طے ہو کر قرار پا جائیگا وہ ہمیشہ ایک حال پر رہے گا۔ زمانۂ دراز گذر جانے سے اُسمیں کمی واقع نہوگی واللہ اعلم تو نفی اس تخفیف کی ہے اور اگر کوئی اس تخفیف کی نفی پر یہ شبہ کرے کہ زمانۂ دراز گذر جانے کے بعد اگرچہ عذاب کم نہوگا مگر اُن کا بدن تو سُن ہو جائیگا تو اُنکو عذاب محسوس نہونا چاہئے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ بدن جب ایک کیفیت کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر اُس کا احساس نہیں ہوتا جیسا کہ آجکل بعض جنٹلمین انگریزوں کی تقلید سے سخت سردی میں بھی ننگے سر رہتے ہیں مجھے بڑی حیرت تھی کہ یہ لوگ ننگے سر کس طرح رہتے ہیں انکو تکلیف نہیں معلوم ہوتی تحقیق سے معلوم ہوا کہ پہلے پہل تو تکلیف ہوتی ہے پھر بدن سُن ہو جاتا ہے سردی کا احساس ہی نہیں ہوتا تب سمجھ میں آیا کہ واقعی یہی ہوگا۔ اس انگریزی تقلید پر بطور جملہ معترضہ کے ایک مضمون ذہن میں آگیا کہ گو یہ لوگ قصد کرتے ہیں تقلید کا مگر تقلید بھی نصیب نہیں ہوتی کیونکہ دونوں کے فعل کی وجہ الگ الگ ہیں چنانچہ انگریز لوگ ننگے سر رہنے کو شوقیہ اختیار نہیں کرتے بلکہ وہ سخت

سرد ملک کے رہنے والے ہیں اُنکو ہندوستان کی سردی زیادہ نہیں ستاتی علاوہ ازیں وہ لوگ غذائیں بہت گرم کھاتے رہتے ہیں اس لئے وہ اگر ننگے سر رہیں تو کچھ تعجب نہیں مگر جو لوگ ہندوستان کے رہنے والے ہیں اُن کے لئے تو یہاں کی سردی بھی بہت کچھ ہے وہ خواہ مخواہ اُنکی نقل کرتے ہیں۔ ایک شخص بیان کرتے تھے کہ اُن کے ساتھ ریل میں ایک جنٹلمین سوار تھے جو بوجہ کم وسعتی کے گبرون کا کوٹ پتلون پہنے ہوئے اور ساتھ میں نہ رضائی نہ چادر اور سردی کا سخت موسم ایک اسٹیشن پر کسی انگریز نے برف منگا کر پیا جنٹلمین صاحب کو بھی تقلید سوجھی آپ نے بھی برف والے سے برف خرید کر پیا انگریز لوگ تو چونکہ گرم غذاؤں کے عادی ہیں اُنکو تو سردی کے موسم میں برف پینے سے تکلیف نہیں ہوتی اور وہ لوگ شراب بھی پیتے ہیں مگر جنٹلمین صاحب کی تو برف پیکر یہ حالت ہوئی کہ سر سے پیر تک لگے تھر تھر کانپنے وہ شخص بیان کرتے تھے کہ جب وہ بہت ہی کانپنے لگے تو میں نے اپنی رضائی اُنکو اُڑھائی جب ذرا اُنکی کانپنی بند ہوئی اُس وقت اُنکو معلوم ہوا ہوگا کہ رضائی کمبل وغیرہ ساتھ لینے میں یہ راحت ہے۔ اسی طرح گرمی کے زمانہ میں یہ لوگ لوٹہ وغیرہ تک ساتھ رکھنے کو بدتہذیبی سمجھتے ہیں ایک بزرگ جوکہ کالج بھاولپور میں پروفیسر ہیں بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ گرمی کے زمانہ میں میرا بھاولپور سے سفر ہوا میرے ساتھ ٹھنڈے پانی کی صراحی وغیرہ بھی تھی کیونکہ سفر لمبا تھا راستہ میں پانی کہیں ملتا ہے کہیں نہیں ملتا اُسی گاڑی میں ایک جنٹلمین بھی سوار تھے صراحی وغیرہ کو دیکھکر کہنے لگے کہ یہ کیا بھنگیوں کا سا برتن لیا ہے میں نے کچھ جواب نہ دیا اور ایک تختہ پر لیٹ رہا وہ صاحب بھی ایک اوپر کے تختہ پر لیٹ گئے اب اُنکو پیاس لگی اور شدت کی لگی تھوڑی دیر صبر کیا آخر بیتاب ہو کر صراحی کی طرف دیکھنے لگے۔ میں نے جب دیکھا کہ انکا پیاس سے بُرا حال ہے اور صراحی پر انکی نیت ہے مگر عار کے مارے مانگتے نہیں تو میں قصداً لیٹ گیا اور آنکھیں بند کرلیں تاکہ وہ یہ سمجھیں کہ یہ سو گیا ہے اور پانی پی لیں چنانچہ جب اُن کا خیال یہ ہوا کہ میں سو گیا ہوں تو وہ صاحب تختہ پر سے اُتر دبے دبے پاؤں صراحی کے پاس آئے مگر بار بار مجھے دیکھتے بھی جاتے تھے کہ یہ کہیں جاگ نہ گیا ہو آخر کو صراحی مُنہ سے لگالی جب خوب پانی پی چکے اور اُٹھنے لگے میں نے فوراً اُن کا ہاتھ پکڑ لیا کہ کیوں صاحب آپ نے بھنگیوں کے برتن میں سے کیوں پانی پیا ہے اب نہ پوچھئے کہ اُن کا مارے ندامت کے کیا حال ہوا سیروں پانی اُن کے اوپر پڑ گیا پھر میں نے خوب ہی اُنکی خبر لی پھر اُنکو یہ معلوم ہو گیا کہ یہ پروفیسر کالج بھاولپور ہیں تو بہت ہی معافی چاہی۔ مگر تعجب ہے کہ یہ لوگ سر کو تو کھُلا رکھتے ہیں اور پیروں کی بہت حفاظت کرتے ہیں ہر وقت موزے چڑھے رہتے ہیں کسی وقت بھی نہیں اُترتے خیر یہ لوگ پیر کی تعظیم کرتے ہیں اور ہم سر کی کہ عمامہ وغیرہ سے اُسکی حفاظت کرتے ہیں۔ ہم پیر کی اتنی تعظیم نہیں کرتے نہ اُسکی حفاظت کرتے ہیں ہمکو تو موزے پہنکر اور زیادہ پریشانی ہوتی ہے اگر کبھی سخت سردی میں پہن بھی لیتے ہیں تو جہاں ذرا گرمی

ہو گئی پھر بدون نکالے چین نہیں آتی اور سر کو بدون ڈھانپے ہمکو چین نہیں آتی یہ تو جملہ معترضہ تھا اصل مضمون یہ تھا کہ یہ بات معلوم ہو گئی کہ سردی یا گرمی کی جب عادت ہو جاتی ہے تو بدن سُن ہو جاتا ہے تو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اگرچہ جہنم کا عذاب ہمیشہ ایک حال پر رہے مگر بدن سُن ہو جانے کے بعد جب اُس کا احساس نہو گا تو خود بخود عذاب میں کمی ہو جائیگی تو اس تخفیف کی نفی صحیح نہوئی۔ اس کا جواب حق تعالیٰ شانہ نے قرآن میں خود ارشاد فرمایا ہے كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا کہ جب انکی ایک کھال گل جائیگی تو ہم انکو دوسری کھال پہنا دینگے۔ تاکہ اچھی طرح ہمیشہ عذاب کا احساس پورا ہوتا رہے تو اب یہ شبہ بھی زائل ہو گیا غرض بعد شفاعت جسقدر عذاب اُن کے لئے طے ہو جائیگا اُسمیں تخفیف نہو گی نہ ذاتاً نہ حساً۔

پس شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تحقیق لا يخفف عنهم العذاب کے مخالف نہیں اب آپکو معلوم ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے لئے رحمت ہیں یہانتک کہ کفار کے لئے بھی رحمت ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اب تو یہ کہنے کو جی چاہتا ہے ؎

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

اور یہ کہنے کو جی چاہتا ہے ؎

نماند بعصیاں کسے در گرو
کہ دارد چنیں سیّد پیشرو

اور ؎ طوبیٰ لنا معشر الاسلام ان لنا
من العناية ركنا غير منهدم

اس تمام تقریر سے رحمة للعالمين اور بالمؤمنين رؤف رحيم میں شبہ تعارض مرتفع ہو گیا پس رحمة للعالمين میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ عامہ کا ذکر ہے اور بالمؤمنين رؤف رحيم میں رحمت خاصہ کا جو مومنین کے ساتھ خاص ہے۔ جس کا ثمرہ ہے رضاء حق و قرب حق و نجات ابدی کہ یہ صرف مسلمانوں کے لئے ہے کفار کو اس سے حصہ نہیں ملیگا۔ اے صاحبو اس تقریر سے آپکو معلوم ہو گیا ہو گا کہ آپ کو ہم ناکاروں سے کتنی محبت ہے تو اب تو طبعاً بھی آپ سے محبت کرنا لازم بلکہ آپ کے احسانات کا تو مقتضا یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی آپ لوگوں سے محبت نہوتی تب بھی حضور کی محبت آپکے ذمہ فرض تھی کیونکہ حضور تو محسن ہیں سو محسن کے ذمہ محسن الیہ کی محبت ضرور نہیں ہوا کرتی لیکن محسن الیہ کے ذمہ محسن کی محبت بوجہ اُسکے احسان کے ضروری ہوتی ہے۔ مگر با ایں ہمہ حضور کو ہم سے اس قدر محبت ہے کہ آپ لوگوں کو اُس قدر نہیں بلکہ ہماری محبت جسقدر بھی ہے یہ بھی حضور ہی کی محبت کا پرتو ہے اوّل حضور کو ہم سے محبت ہوئی پھر آپ کی کشش سے ہمکو آپ کے ساتھ محبت ہوئی چنانچہ مشہور مقولہ ہے ؎

"عشق اول در دلِ معشوق پیدا می شود" ؎

اگر از جانب معشوق نباشد کششے طلب عاشق بیچارہ بجائے نرسد

اور راز اس کا یہ ہے کہ محبت ہوتی ہے معرفت سے اور ہمکو آپ کی معرفت کامل نہیں اور آپکو ہماری معرفت کامل ہے ہم نے تو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ کمالات مجملاً سُن لئے حضورؐ سے محبت ہوگئی مگر اُن کمالات کی کُنہ و حقیقت نہیں سمجھے ؎

وکیف یدرک فی الدنیا حقیقتہ قوم نیام تسلوا عنہ بالحلم

یعنی وہ لوگ آپکی کُنہ حقیقت کیونکر سمجھ سکتے ہیں جو کہ خواب ہی میں زیارت سے مشرف ہونے کو تسلی کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ اور حضورؐ کے کمالات کی کُنہ و حقیقت نہ سمجھنے کا راز یہ ہے کہ کمالات حقیقت میں وجدانی ہیں اور وجدانی ادراک وجدان ہی سے ہوتا ہے اور وجدان کا حصول موقوف ہے اتصاف بالوجدانی پر بس ادراک کمالات نبوت کا متصف بالنبوۃ ہی کو ہوسکتا ہے اور ہم میں نہیں۔ اس لئے ہمکو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کاملہ حاصل نہیں ہوسکتی کیونکہ جن مقامات کو ہم نے دیکھا بھی نہیں ہم اُنکی حقیقت کیونکر سمجھ سکتے ہیں اور حضورؐ کو ہماری معرفت پوری طرح حاصل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری کُنہ حقیقت معلوم ہے اس لئے جتنی محبت ہمکو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے حضورؐ کو ہمارے ساتھ اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اور اس تقریر سے یہ بات بھی اچھی طرح معلوم ہوگئی ہوگی کہ جب نبی کی معرفت غیر نبی کو نہیں ہوسکتی اس لئے ہمکو مقامات انبیاء علیہم السلام میں موازنہ کرنا بھی رائے سے جائز نہیں کیونکہ جب ہمکو مقامات انبیاء علیہم السلام کی معرفت نہیں تو ہم اُنکی حقیقت نہیں سمجھ سکتے تو ہم سے اُسمیں غلطی کا واقع ہونا بعید نہیں شیخ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ باوجودیکہ امت میں بہت بڑے صاحب کشف ہیں اور کشف میں اُن کا بڑا پایہ ہے مگر پھر بھی اُنہوں نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ مقامات انبیاء علیہم السّلام میں گفتگو کرنا نہ چاہیے کیونکہ غیر نبی کو نبی کے مقامات کا علم نہیں ہوسکتا مثلاً آپ کا خوف و خشیت انبیاء علیہم السلام کے خوف و خشیت کے ساتھ محض لفظی مناسبت رکھتا ہے باقی دونوں کی حقیقت میں یوں تعبیر ہے وہ اور چیز ہے یہ اور چیز ہے۔ غرض جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہمکو کما حقہ حاصل نہیں اور حضورؐ کو ہماری معرفت پوری طرح ہے اس لئے حضورؐ ہی کی محبت ہمارے ساتھ زیادہ ہوئی یہ تو دلیل کلی سے اثبات تھا اسکے علاوہ واقعات بھی شاہد ہیں چنانچہ آپ دیکھ لیجئے اور بتلائیے آپ نے کتنی راتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں بیدار رہکر گذاری ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی شفارش کے لئے ایک ایک آیت میں صبح کردی چنانچہ آپ ایک مرتبہ رات کو تہجد میں قرآن شریف پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہونچے اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ تو امت کو یاد کرکے بار بار اسی آیت کو دُہراتے رہے یہانتک کہ صبح ہوگئی۔

اللہ اکبر امت کا کسقدر خیال تھا بتلائیے آپ نے حضورؐ کے فاقہ کو یاد کر کے کتنے فاقہ کئے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر فقط آپکی خاطر فاقہ سے گذار دی شاید کوئی یہ کہے کہ ہماری خاطر کیسے حضورؐ کو روپیہ پیسہ ملتا ہی نہو گا جو آپنے فاقہ سے زندگی بسر کی میں کہتا ہوں کہ یہ بات غلط ہے کہ آپکو ملتا نہ تھا حق تعالیٰ شانہ کے حکم سے ملائکہ نے حاضر ہو کر حضورؐ سے عرض کیا تھا کہ اگر آپ فرمائیں تو آپ کے لئے پہاڑوں کو سونا بنا دیا جائے اور وہ ہمیشہ آپکے ساتھ رہا کریں مگر حضورؐ نے اسکو قبول نہیں فرمایا اور حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ الٰہی میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک روز پیٹ بھر کر کھایا کروں تو آپ کا شکر ادا کروں دوسرے روز بھوکا رہوں تو صبر کروں تو یہ فاقہ حضورؐ نے خود اختیار فرمایا یہ نہ تھا کہ آپکو دنیا نہ مل سکتی تھی اب رہی یہ بات کہ باوجود ملنے کے کیوں نہ لی سو اسکی یہ وجہ نہ تھی کہ دنیا کی کثرت سے کچھ آپکو باطنی ضرر پہونچتا جسکی وجہ سے آپ نے فاقہ اختیار کیا۔ دنیا مُردار آپ کے دل کو کیا مشغول کر سکتی تھی جب آپ کے غلامان غلام ایسے ہوئے ہیں کہ ان کے دل کو باوجود کثرت مال کے اُس سے ذرا بھی لگاؤ نہیں ہوا نیز انبیاء علیہم السّلام میں بعض نے سلطنت کی خواہش کی تھی تو کیا معاذ اللہ انھوں نے ایک مضر چیز کی درخواست کی تھی ہرگز نہیں انبیاء علیہم السّلام کے دل میں دنیا کی ذرا بھی گنجائش نہیں ہو سکتی تو پھر اگر آپکے پاس مال و دولت بکثرت بھی جمع رہتا تب بھی آپکو اُس سے کچھ ضرر نہ تھا مگر پھر جو حضورؐ نے فاقہ کشی کو اختیار فرمایا تو اسکی کیا وجہ تھی صرف امت کا خیال کہ اگر میں ذرا بھی دُنیا کی طرف ہاتھ بڑھاؤں گا تو میری امت اسکو بھی سنت سمجھے گی اور میری سنت سمجھکر مال و دولت جمع کرنے کی طرف جھک جائیگی میرے واسطے تو اگرچہ مال و دولت مضر نہیں ہو سکتا مگر امت کو اُس سے ضرر پہونچے گا تو محض ہماری خاطر حضورؐ نے ساری عمر فاقہ کی تکلیف برداشت کی حتّٰی کہ شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تین برتن پیش کئے گئے ایک شہد کا ایک شراب کا ایک دودھ کا تو حضورؐ نے دودھ کو اختیار فرمایا یہ بھی امت کے حال پر رحمت تھی حالانکہ اگر آپ شراب کو اختیار فرما لیتے تو چونکہ وہ دنیا کی شراب نہ تھی جنت کی شراب تھی حلال اور پاکیزہ تھی کچھ آپ کا ضرر نہوتا۔ نہ آپکو گناہ ہوتا اسی طرح اگر شہد کو لے لیتے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر ذرا بھی لذات کی طرف میلان فرماتے تو امت کو اُس سے حصہ ملتا اور امت کے لئے وہ میلان مضر ہوتا اسی لئے جب حضورؐ نے دودھ کو اختیار فرمایا تو جبریل علیہ السّلام نے خوش ہو کر عرض کیا اخترت الفطرۃ ولو اخذت الخمر لغوت امتک یعنی آپ نے دین کو اختیار فرمایا اور اگر آپ شراب کو اختیار فرماتے تو آپکی امت گمراہ ہو جاتی۔ عالم برزخ میں دودھ دین کی صورت ہے چنانچہ اگر کوئی خواب میں دودھ پیتے ہوئے یا پلاتے ہوئے دیکھے تو اُسکی تعبیر دین ہوگی جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تعبیر اپنے اُس خواب کی ارشاد فرمائی جسمیں خود دودھ نوش فرما کر بچا ہوا حضرت عمرؓ کو عطا فرمانا دیکھا تھا اسکی

مناسبت سے اپنا ایک خواب یاد آگیا۔ میں نے ایکبار خواب میں دیکھا کہ ایک مجمع ہے جسمیں لوگوں کو چھاچھ تقسیم ہو رہی ہے میرے سامنے بھی پیش ہوئی تو میں نے انکار کر دیا میں نے نہیں پی جب میں بیدار ہوا تو تعبیر خود بخود دل میں یہ آئی کہ جس طرح دودھ کے معنی عالم میں دین کے ہیں چھاچھ کی تعبیر صورت دین ہے جسمیں معنی نہیں سو یہ مجمع بھی عمل بالحدیث کا مدعی ہے گویا اُس خواب میں یہ بتلایا گیا تھا کہ ان لوگوں میں دین کی صورت ہی صورت ہے روح دین کی نہیں ہے غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شب معراج میں دودھ کو اختیار فرمایا اُسکی برکت یہ ہوئی کہ امت محمدیہ کو دین کا خیال بہت ہے کاملین کے سامنے ناقصین چاہے کیسے ہی معلوم ہوتے ہوں مگر مجموعی طور پر امت محمدیہ دیگر اقوام یہود و نصاریٰ کے مقابلہ میں دین کے اہتمام میں بہت بڑھے ہوئے ہیں امت محمدیہ کے ناقص بھی یہود و نصاریٰ کے مقابلہ میں دینداری میں کامل ہیں سو دیکھا آپنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی کیا کیا رعایتیں اور اُنپر کیا کیا عنایتیں فرمائی ہیں۔ اللہ اللہ حضور کی یہ شفقت اور یہ محبت دیکھکر تو ہمکو بدرجہ اولیٰ عاشق اور جان نثار ہو جانا چاہئے اور یوں کہنا چاہئے ؎

گر بر سر و چشم من نشینی ناز بکشم کہ نازنینی

بلکہ اگر آپ قتل بھی کرنا چاہیں تو زبان قال و حال سے یہ کہنا چاہئے ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اور ہم تو کیسے محبت نہ کریں آپکی تو محبوبیت میں یہ شان ہے کہ جانوروں تک نے آپکو سجدہ کیا ہے اور اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ حجۃ الوداع میں جب حضورؐ نے قربانی کی تو سو اونٹ نحر فرمائے تھے ایسے غریب بھی کہیں نہ دیکھے ہونگے۔ بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے آپکو بہت کچھ دیا تھا مگر آپ جمع نہیں فرماتے تھے آپ کا فقر اختیاری تھا غرض حضورؐ نے حج وداع میں ۱۰۰ اونٹ نحر فرمائے تھے۔ نحر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک پیر اونٹ کا ران سے ملا کر تسمہ سے باندھ دیا جاتا ہے اور اونٹ تین پیروں پر کھڑا رہتا ہے پھر گلے کے نیچے جو گڑھا ہے اُسمیں برچھا مارا جاتا ہے اونٹ کو اسی طرح ذبح کیا جاتا ہے اُس کا ذبح اسی طرح آسان ہے تو حضورؐ نے ان سو میں سے ترسٹھ ۶۳ اونٹ خاص اپنے دست مبارک سے ذبح کئے تھے اس سے حضورؐ کی قوت کا حال بھی معلوم ہوتا ہے کہ ماشاء اللہ بہت ہی قوی ہاتھ تھا جو ترسٹھ ۶۳ اونٹ کھڑے ذبح کر دئے۔ غرض احادیث میں یہ قصہ مذکور ہے کہ جب حضورؐ نے اونٹ نحر فرمائے ہیں تو ہر اونٹ آہستہ آہستہ باوجود پیر بندھا ہوا ہونے کے آپکی طرف بڑھتا تھا یعنی پہلے مجھے ذبح کیجئے حدیث میں یہ لفظ ہیں کلھن یزدلفن الیہ بالکل اس شعر کا مصداق تھا ؎

ہمہ آہوانِ صحرا سر خود نہادہ برکف بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

پس ہم پر عقلاً نقلاً ہر طرح فرض ہوا کہ آپ سے محبت کریں اور محبت کا مقتضا ہے کثرت ذکر اور اس ذکر کی ایک بہت اچھی اور مقبول اور محبوب فرد درود شریف ہے خصوص جبکہ اُسمیں بھی ہمارا ہی نفع زیادہ مقصود ہو اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمکو درود شریف کی فضیلت بتلائی ہے تاکہ اُسکے ذریعہ سے امت کو بہت کچھ برکات و درجات عالیہ و ثواب عطا ہوں کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ درود تعلیم فرمانے کا نفع تو حضور ہی کو ہوتا ہے کہ امت آپ کے لئے دعا کرتی ہے امت کو کیا نفع سو یہ شبہ غلط ہے کیونکہ اسکی تو ایسی مثال ہے کہ ایک آقا ہے اُسکے ایک لڑکا ہے جسکو وہ بہت چاہتا ہے وہ لڑکا اپنے باپ کے نوکر سے کہتا ہے کہ ابا جان سے کہدو کہ آج عید ہے ہمکو ایک روپیہ دیدیں وہ لڑکا جانتا ہے کہ باپ کو خود میرا خیال ہے وہ عیدی کا روپیہ خود ہی دیتے مگر پھر جو نوکر کے ذریعہ سے کہلواتا ہے اسمیں اُس کا خود کوئی نفع نہیں بلکہ اس وساطت سے وہ نوکر آقا کی نظر میں بلند مرتبہ ہو جائیگا۔ کہ یہ ہمارے بیٹے سے محبت کرتا ہے۔ اب اگر وہ نوکر بیوقوف یہ سمجھنے لگے کہ میں بیٹے سے بھی بڑھا ہوا ہوں کہ میں نے اُسکو روپیہ دلوایا ورنہ اُسکو نہ ملتا۔ یہ اُسکی حماقت ہوگی یا نہیں بلکہ اُسکو تو اس وساطت سے خود ایک شرف حاصل ہو گیا بیٹے کو تو روپیہ ملتا ہی بلا تشبیہ اسی طرح اس جگہ سمجھئے کہ آپ کے درود پڑھنے سے جو درجات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہونگے اُسمیں حضور کو کچھ آپکی ضرورت نہیں وہ درجات تو حق تعالیٰ خود حضور کو عطا فرماتے ہی البتہ یہ رحمت ہے کہ ہمکو اس وساطت سے مشرف فرما دیا کہ اس واسطہ سے ہمکو بھی حضور کی برکت سے قرب حاصل ہو جاتا ہے اور میرے پاس اس دعوے کی کہ اُن مراتب کا عطا فرمانا تو حق تعالیٰ کو منظور ہی تھا دلیل موجود ہے حق تعالیٰ شانہ نے جس آیت میں ہم کو درود شریف کا امر فرمایا ہے اُسمیں امر سے پہلے یہ ارشاد فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ حق تعالیٰ اور ملائکہ علیہم السّلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں یصلون علی النبی صیغۂ تجدد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ہمارے حضور پر ہمیشہ درود بھیجتے رہتے ہیں چاہے کوئی درود بھیجے یا نہ بھیجے اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ سے بڑھکر کس کا درود ہو سکتا ہے اور حق تعالیٰ ہی ہمیشہ درود نازل فرماتے رہتے ہیں تو حضور کو جو درجات عالیہ عطا ہونے والے ہیں وہ تو حق تعالیٰ خود حضور کو ضرور ہی عطا فرمائینگے اگر تم بھی حضور کے لئے درود پڑھوگے تو اس سے تم کو بھی نفع ہوگا۔ باقی حضور کو خود اسکی کوئی ضرورت نہیں۔ اور درود شریف میں علاوہ اسکے کہ وہ ایک ذکر ہے جو مقتضا محبت کا ہے اور بھی فضائل ہیں چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں من صلی علی واحدا صلی اللہ علیہ عشرا جو میرے اوپر ایکبار درود بھیجے گا حق تعالیٰ اُسپر دس بار درود بھیجیں گے ایک فائدہ درود میں بہ نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر شریف کے دوسرے طرق کے یہ ہے کہ ذکر بسیط ہے اور جو کہ بسیط متفرق اذکار سے زیادہ سہل

و دلچسپ ہوتا ہے پھر اس میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ذکر اللہ بھی ہے اور ذکر رسول بھی کیونکہ درود شریف
میں اللہ کا نام بھی ضرور ہوتا ہے بلکہ حقیقت میں اس سے زیادہ دلچسپ ذکر رسول کا کوئی طریقہ نہیں۔ البتہ
میں اگر کبھی خشک ہو تو کبھی حضور کے کمالات اخلاق وغیرہ کا بھی ذکر کر دیا جائے یہ ذکر ولادت سے بھی افضل
کیونکہ ولادت بھی تو اسی کے واسطے ہوئی تھی یہ کمالات مقصود بالذات ہیں ان کا ذکر اسکے ذکر سے
افضل ہوگا درود کی فضیلت بھی آئی ہے چنانچہ ایک صحابی نے چند اوراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے
پیش کئے کہ میں چند وظائف پڑھتا ہوں جن میں درود شریف ربع کے قریب ہے حضور نے ارشاد فرمایا او زدت
لکان خیرا لک انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ نصف کے قریب درود شریف پڑھا کروں حضور
پھر بھی فرمایا کہ اگر اور بڑھاؤ گے تو بہتر ہوگا یہاں تک کہ انھوں نے عرض کیا کہ میں سارا وظیفہ درود شریف
ہی کا رکھونگا اور کچھ نہ پڑھونگا حضور نے ارشاد فرمایا اذاً یکفی ھمّک ویغفر ذنبک کہ اگر ایسا کرو گے
تو تمہارا تمام فکر دور ہو جائیگا اور گناہ بخشدئے جائینگے ۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ سب لوگ ایسا ہی کریں
کہ تمام اوراد چھوڑ کر درود شریف ہی کا وظیفہ اختیار کرلیں اسکے بارہ میں ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا
مقولہ بہت عمدہ ہے ان سے پوچھا گیا کہ استغفار افضل ہے یا درود شریف انھوں نے فرمایا کہ آپ میلے
کپڑوں میں تو عطر اچھا ہوا کرتا ہے اور میلے کپڑوں میں صابون غرض ہر ایک کی حالت کا جدا اقتضا ہے
اس لئے کوئی یہ نہ کرے کہ تمام اوراد چھوڑ دے اور صرف درود شریف کو اختیار کرلے یا اپنے شیخ سے
پوچھ کر کرنا چاہئے ایک حق آپکی محبت کا یہ ہے کہ قبر شریف کی زیارت سے مشرف ہو خصوص جو حالت
حیات میں زیارت سے مشرف نہیں ہوئے وہ روضۂ اطہر ہی سے برکات حاصل کرلیں کہ وہ برکات
اگرچہ زیارت حیات کے برکات جیسے بالکل نہوں مگر ان کے قریب قریب ضرور ہیں حدیث میں ارشاد
موجود ہے مَن زَارَنِی بَعدَ مَمَاتِی فَکَاَنَّمَا زَارَنِی فِی حَیَاتِی اس سے بھی معلوم ہوا کہ
حضور کی ذات خود بھی قابل توجہ ہے اگر آپ سے تعلق صرف مبلغ ہی ہونے کی حیثیت سے ہوتا تو زیارت
قبر مسنون نہوتی کیونکہ اس وقت تبلیغ کہاں ہے افسوس کہ بعض لوگ ایسے خشک ہیں کہ وہ زیارت قبر
شریف کی فضیلت کو نہیں مانتے بلکہ اس سے بڑھکر کہ اسکے ناجواز کے قائل ہیں کانپور میں ایک مرتبہ
ایک مترجم اربعین حدیث میں بچوں کا امتحان تھا جلسۂ امتحان میں ایسے ہی ایک شخص تھے جو کہ زیارت
قبر شریف کو ناجائز سمجھتے تھے ایک بچہ کا امتحان شروع ہوا اس نے اتفاق سے یہ حدیث پڑھی مَن
حَجَّ وَلَم یَزُرنِی فَقَد جَفَانِی ان صاحب نے اعتراض کیا کہ لم یزرنی فرمایا ہے تو یہ آپکی حالت
حیات کے ساتھ خاص ہے بعد وفات زیارت ثابت نہیں طالب علم بیچارہ اشکال سمجھا بھی نہیں

انکا جواب معلوم تھا وہ سادگی سے آگے پڑھنے لگا خدا کی شان آگے جو حدیث موجود تھی وہ اس اعتراض ہی کا جواب تھی آگے یہ حدیث تھی کہ من زارنی بعد مماتی فکانما زارنی فی حیاتی جتنے علماء اس وقت موجود تھے سب نے اُن صاحب سے کہا کہ لیجئے حضرت آپکے اعتراض کا جواب نکل آیا۔ شرمندہ ہو گیا خاموش رہ گئے بعض لوگ زیارت قبر شریف پر ایک شبہ کرتے ہیں کہ اب تو قبر کی بھی زیارت نہیں ہوتی کیونکہ قبر شریف نظر نہیں آتی اُسکے گرد پتھر کی دیوار قائم ہے جسکا دروازہ بھی نہیں یہ عجیب لغو اشکال ہے میں کہتا ہوں اگر زیارت قبر کے لئے قبر کا دیکھنا ضروری ہے تو حضور کی زیارت کے لئے بھی یہ شرط ہوگی کہ حضور کو دیکھا جائے حالانکہ بعض صحابہ نابینا تھے عبداللہ بن ام مکتوم صحابی ہیں یا نہیں مستورات کے بارہ میں کیا کہو گے جس طرح صحابیت کے لئے حکمی زیارت کافی مانی گئی ہے اسی طرح زیارت قبر شریف میں بھی حکمی زیارت کیوں نہ کافی مانا جائیگا یعنی ایسی جگہ پہنچ جانا کہ اگر کوئی حائل نہ ہوتا تو قبر شریف کو دیکھ لیتے یہ بھی حکماً زیارت قبر شریف ہے تیسرا شبہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے کرتے ہیں کہ امام مالک کا قول ہے یکرہ قول الرجل زرت قبر النبی علیہ السلام یعنی امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ بات مکروہ ہے کہ کوئی شخص کہے کہ میں نے قبر شریف کی زیارت کی تو جب زیارت قبر کا قول تک مکروہ ہے تو فعل زیارت تو کیسے مکروہ نہ ہوگا جواب یہ ہے کہ امام مالک کا یہ قول اول تو ثابت نہیں اور اگر ثابت بھی ہو تو اُن کا یہ مطلب نہیں جو تم کہتے ہو ورنہ اگر اُنکو یہ مقصود ہوتا تو یہاں کیا ضرورت تھی وہ صاف یہی نہ فرماتے کہ یکرہ زیارۃ قبر النبی علیہ السلام یہ قول کی کراہت بیان کرنا اُس سے زیارت کی کراہت نکالنا اس تکلف کی اُنکو کیا ضرورت تھی بلکہ اُن کا مطلب یہ ہے کہ حضور قبر شریف میں زندہ ہیں اس لئے زیارت کے متعلق یوں نہ کہنا چاہئے کہ میں نے قبر کی زیارت کی کیونکہ اس سے حضور کے زندہ نہ ہونے کا شبہ ہوتا ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ میں نے حضور کی زیارت کی کیونکہ حضور زندہ ہیں۔ غرض دنیا میں ایسے بھی خشک مذاق موجود ہیں جن کو زیارت قبر کا خود تو کیا شوق ہوتا اسکو حرام کہکے دوسروں کو بھی روکنا چاہتے ہیں مگر جو زیارت کر چکے ہیں اُن سے پوچھو کہ کس قدر برکات حاصل ہوتے ہیں بس اب بیان کو ایک واقعہ پر ختم کرتا ہوں جس سے زیارت قبر شریف کے برکات اور حضور کا قبر شریف میں زندہ ہونا معلوم ہوگا۔ سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ جب وہ مزار شریف پر حاضر ہوئے عرض کیا السلام علیک یا جدی جواب مسموع ہوا وعلیک السلام یا ولدی یہ سنکر وجد ہوا اور بے اختیار یہ اشعار زبان پر جاری ہوئے ؎

فِی حَالَةِ الْبُعْدِ رُوْحِیْ كُنْتُ اُرْسِلُهَا ۔۔۔ تُقَبِّلُ الْاَرْضَ عَنِّیْ وَهِیَ نَائِبَتِیْ
فَهٰذِهٖ دَوْلَةُ الْاَشْبَاحِ قَدْ حَضَرَتْ ۔۔۔ فَامْدُدْ یَمِیْنَكَ كَیْ تَحْظٰى بِهَا شَفَتِیْ

بس فوراً قبر شریف سے ایک منور ہاتھ جسکے روبرو آفتاب بھی ماند تھا باہر نکلا اُنہوں نے بے ساختہ دوڑکر اُس کا بوسہ لیا اور وہاں ہی گر گئے ایک بزرگ سے جو کہ اس واقعہ میں حاضر تھے کسی نے پوچھا کہ آپکو اُس وقت کچھ رشک ہوا تھا فرمایا ہم تو کیا تھے اُس وقت ملائکہ کو رشک تھا۔ تتمہ قصہ کا یہ ہے کہ جب آپ نے دیکھا کہ لوگ مجھکو نظر قبول سے دیکھ رہے ہیں آپ اُٹھکر ایک دروازہ میں جا پڑے اور حاضرین کو قسم دیکر کہا کہ سب میرے اوپر سے گزرو چنانچہ عوام تو گزرنے لگے اور اہل بصیرت دوسرے راستہ سے نکلے سُبحان اللہ کیا نوازش ہے۔ اب اس بیان کو ایک نکتہ پر ختم کرتا ہوں کہ اس آیت میں جو حق تعالیٰ شانہٗ نے رؤف رحیم دو لفظ ارشاد فرمائے اسمیں کیا نکتہ ہے مجھکو اس وقت لُغت سے رجوع کرنے کا موقعہ نہیں ملا کیونکہ وعظ کا ہونا جمعہ کی نماز کے لئے آتے ہوئے راستہ ہی میں طے ہوا پہلے سے خیال ہوتا تو میں کتب لغت دیکھکر آتا مگر جو بات اس وقت ذہن میں ہے وہ یہ ہے کہ رؤف کا مصدر ہے رأفت جسکے معنی ہیں شدت رحمت اور شدت ایک کیفیت ہے تو اسمیں مبالغہ کیفاً ہے اور رحیم میں بھی مبالغہ ہے اور بوجہ تقابل کے شاید اسمیں مبالغہ ہوگا پس مجموعہ کا حاصل یہ ہوا کہ آپکی رحمت کیفاً بھی زیادہ ہے اور کمّاً بھی۔ اب دعا فرمائیے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ہمکو ہمیشہ حضورؐ کے اتباع کی توفیق دیں اور آپکی محبت و اطاعت و تعظیم ہی میں وفات دیں اور قیامت میں آپ کا قرب نصیب ہو آمین ✦

(التماس جامع) اس وعظ کے جلد صاف کر دینے کا اکثر احباب کو بہت تقاضا تھا اور واقعی یہ انمول جواہر جو اس وعظ میں ہیں ایسے ہی اشتیاق کے قابل ہیں مگر کیا کہوں تعلیم کی مشغولی کی وجہ سے بہت دیر ہوگئی تاہم بحمداللہ بہت جلد صاف ہوگیا۔ احباب سے تاخیر کی تکلیف کی معافی چاہتا ہوں اور اللہ واسطے درخواست کرتا ہوں کہ جو صاحب اس سے منتفع ہوں میرے واسطے بھی دعائے خیر فرمائیں کہ حق تعالیٰ اپنی محبت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کامل اور اتباع کامل عطا فرمائیں اور بیت اللہ و بیت الرسول کی زیارت بعافیت تامہ ظاہریہ و باطنیہ نصیب ہو آمین یا رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولٰنا محمد وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وامتہ عدد خلقہ ورضیٰ نفسہ ومداد کلماتہ صلوٰۃ لاغایۃ لہا ولا انتہا ولا امد لہا ولا انقضاء صلوٰۃ تدوم بدوامک وتبقی ببقائک صلوٰۃ ترضیک وترضیہ وترضیٰ بہا عنا یارب العالمین اٰمین فقط والسلام احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۷ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۳۳ ہجری نبویؐ

یہ وعظ منشی عنایت اللہ صاحب عطار جلال آباد ضلع مظفر نگر سے بھی مل سکتا ہے